پندرہ روزہ

احباب جماعت کی تعلیم و تربیت کے لیے

پیغامِ صُلح

لاہور

فون نمبر: 5863260
5862956

مدیر: چوہدری ریاض احمد　نائب مدیر: حامد رحمٰن

Email: centralanjuman@yahoo.com

رجسٹرڈ ایل نمبر: 8532
قیمت فی پرچہ -/10 روپے

جلد نمبر 100	19 جمادی الاول تا 19 جمادی الثانی 1432 ہجری یکم تا 30 اپریل 2013ء	شمارہ نمبر 8-7

احمدیہ انجمن لاہور کی خصوصیات

- آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، نہ نیا نہ پرانا۔
- کوئی کلمہ گو کافر نہیں۔
- قرآن کریم کی کوئی آیت بھی منسوخ نہیں نہ آئندہ ہوگی۔
- سب صحابہ اور آئمہ قابل احترام ہیں۔
- سب مجددوں کا ماننا ضروری ہے۔

ارشادات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

اُن دوستوں کے لئے جو سلسلہ بیعت میں داخل ہیں

’’اے میرے دوستو جو میرے سلسلہ بیعت میں داخل ہو خدا ہمیں اور تمہیں ان باتوں کی توفیق دے جن سے وہ راضی ہو جائے آج تم تھوڑے ہو اور تحقیر کی نظر دے دیکھے گئے ہو اور ایک ابتلاء کا وقت تم پر ہے۔ اس سنت اللہ کے موافق جو قدیم سے جاری ہے ہر طرف سے کوشش ہوگی کہ تم ٹھوکر کھاؤ اور تم ہر طرح سے ستائے جاؤ گے اور طرح طرح کی باتیں تمہیں سننی پڑیں گی اور ہر ایک جو تمہیں زبان یا ہاتھ سے دُکھ دے گا وہ خیال کرے گا کہ اسلام کی حمایت کر رہا ہے اور کچھ آسمانی ابتلاء بھی تم پر آئیں گے تا تم ہر طرح سے آزمائے جاؤ سو تم اس وقت سن رکھو کہ تمہارے فتحمند اور غالب ہو جانے کی یہ راہ نہیں کہ تم اپنی خشک منطق سے کام لو یا تمسخر کے مقابل پر تمسخر کی باتیں کرو یا گالی کے مقابل پر گالی دو۔ کیونکہ اگر تم نے یہی راہیں اختیار کیں تو تمہارے دل سخت ہو جائیں گے اور تم میں صرف باتیں ہی باتیں ہوں گی جن سے خدا تعالیٰ نفرت کرتا ہے اور کراہت کی نظر سے دیکھتا ہے سو تم ایسا نہ کرو کہ اپنے پر دو لعنتیں جمع کر لو ایک خلقت کی اور دوسری خدا کی بھی۔

یقیناً یاد رکھو کہ لوگوں کی لعنت اگر خدا تعالیٰ کی لعنت ساتھ نہ ہو کچھ بھی چیز نہیں اگر خدا ہمیں نابود نہ کرنا چاہے تو ہم کسی سے نابود نہیں ہو سکتے لیکن اگر وہی ہمارا دشمن ہو جائے تو کوئی پناہ نہیں دے سکتا ہم کیونکر خدا تعالیٰ کو راضی کریں اور وہ ہمارے ساتھ ہو اس کا اس نے مجھے بار بار یہی جواب دیا کہ تقویٰ سے۔ سواے میرے پیارے بھائیو کوشش کرو تا متقی بن جاؤ بغیر عمل کے سب باتیں ہیچ ہیں اور بغیر اخلاص کے کوئی عمل مقبول نہیں۔ سو تقویٰ یہی ہے کہ ان تمام نقصانوں سے بچ کر خدا تعالیٰ کی طرف قدم اٹھاؤ اور پرہیز گاری کی باریک راہوں کی رعایت رکھو۔‘‘ (ازالہ اوہام 827-825)

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا تعلق باللہ اور مقامِ فنافی الرسول

ایک فارسی نظم کا اُردو ترجمہ از: قاری غلام رسول صاحب

اے آنکہ، سوئے من بدویدی، بصد تبر — از باغباں بترس، کہ من شاخِ مثمرم

اے وہ جو سینکڑوں تلواروں کے ساتھ میری طرف آرہا ہے باغبان سے ڈر کیوں کہ میں پھلدار شاخ ہوں۔

گوشِ دلم، بجانب تکفیر کس کجا است — من مست جا ہمائے عنایات دلبرم

ان کی تکفیر کی طرف میرا کان کیسے ہوسکتا ہے میں تو اپنے دلبر کی عنایات میں مست ہوں۔

از طفنِ دشمناں خبرے، چوں شود مرا — کاندر خیال دوست، بخواب خوش اندرم

مجھے دشمنوں کے طعنوں کی خبر نہیں ہوتی میں دوست کے خیال میں میٹھی نیند سوتا ہوں۔

ہر لحظہ مے خوریم، ز جام وصالِ دوست — ہر دم انیس یار علیٰ رغمِ منکرم

ہم ہر لحہ وصال یار کے جام پیتے ہیں اور منکرین کی ذلت کے لئے اپنے یار کے ساتھ ہوتے ہیں۔

بد بوئے حاسداں نرساند، زیاں بمن — من ہر زماں، زنافہ یادش معطرم

حاسدوں کی بدبو میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی میرا ہر وقت اس کی یاد کی خوشبو سے معطر ہے۔

ہر تارو پود من، بسرائد بعشق اُو — از خود تہی، واز غم آں دلستان پرم

میرے ہر رگ وریشہ میں اس کا عشق سمائے ہوئے ہے میں خود تو خالی ہوں مگر اس دلبر کے عشق سے پُر ہوں۔

واللہ کہ ہم چوں کشتی نوحم ز کردگار — بے دولت آنکہ، دور بماند ز لنگرم

خدا کی قسم میں کشتی نوح کی طرح ہوں جو اس دولت سے محروم ہے وہ میرے لنگر سے دور ہے۔

بعد از خدا بعشق محمدؐ مخمرم — گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

خدا تعالیٰ کے بعد میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق میں مخمور ہوں اگر یہ کفر ہے تو بلاشبہ میں سخت کافر ہوں

جانم فدا شود برہ دینِ مصطفےؐ — ایں است کام دل اگر آید میسرم

میری جان اللہ کے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے لئے قربان ہو جائے میرا یہی کام اور یہی خواہش ہے اگر میسر آجائے۔

نے ارادہ کیا ہوگا کہ میں یہ ضرور کروں گا لیکن خانہ خدا چھوڑتے ہی انسان اکثر ایسے ارادے بھول جاتا ہے۔ **اس لئے یہ میری آپ سب کے لئے نصیحت ہے کہ جو چیزیں آپ سمجھتے ہیں کہ دعائیہ میں ہم نے پائیں ان کو لکھ لیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا: کہ اگر آپ نے اپنے اندر تبدیلیاں لانی ہیں تو آپ کے اندر جو کمزوریاں ہیں ان کی لسٹ بنالو اور پھر کوشش کرتے رہیں کہ اس لسٹ میں سے کیا کیا چیز کٹتی جاتی ہے کیونکہ لکھنا ایک وعدہ ہوتا ہے۔ اور یہ نیک ارادے اگر آپ لکھ لیں گے تو پھر زیادہ امکان ہے کہ ان پر عمل کریں۔**

سورۃ العصر کی تعلیم

سورۃ العصر ہمیں یہ تعلیم دیتی ہے کہ صرف ایمان ہی نہیں اس کے ساتھ عمل بھی ضروری چیز ہے۔ ہم نے جو حق پا رکھا ہے اس کو ہم نے آگے بڑھانا ہے اور راستے میں جو تکالیف آئیں ان کو بھی برداشت کرنا ہے اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت بھی کرنی ہے اور اس دین کے ساتھ وابستگی بھی قائم رکھنی ہے۔

صحابہ کرامؓ کا طریقہ تھا کہ وہ جب بھی ایک دوسرے سے بچھڑتے تھے تو جانے سے پہلے سورۃ العصر ایک دوسرے کے سامنے تلاوت کرتے تھے اور اس طرح یہی پیغام دیتے تھے کہ چار ہی چیزیں ہیں جن پر عمل کر کے ہمارا جو وقت ہے جو ایک جلتی ہوئی شمع کی طرح پگھلتا جاتا ہے اور ختم ہوتا جاتا ہے یا ایک برف جو گرمیوں میں راستے میں بک رہی ہوتی ہے وہ پگھلتی جاتی ہے اور اس کے بیچنے والا پوری کوشش کرتا ہے کہ اس کے پگھلنے سے پہلے یہ کسی طرح اس کے ہاتھوں بک جائے۔ اسی لئے وقت کی مثال ان چیزوں سے دی جاتی ہے اور کسی کو نہیں پتہ ہوتا ہے کہ ہمیں یہ وقت اللہ نے کتنا دے رکھا ہے۔ اس لئے ہر گھڑی کو قیمتی جاننا اور اپنے ارادوں کو بغیر وقت ضائع کئے عمل میں لانا ہمارے لئے نہایت ضروری ہے۔

آج ہم سب یہاں اکٹھے ہوئے ہیں ایک دوسرے کو الوداع کریں گے، ایک دوسرے کے لئے دعائیں کریں گے اور حق کو پھیلانے کے پختہ ارادے لے کر جائیں گے۔ **اس لئے جو آپ نے کہا، جو آپ نے سنا، جس کو آپ نے عمل کرنے کا ارادہ کیا اس کو ہم سب یہاں سے وصیت کی طرح لے کر جائیں کہ ہم نے یہ چیز کرنی ہے اور وصیت لفظ استعمال کرنے سے وہ فرض بن جاتی ہے کہ وہ اس چیز پر عمل کرے۔ سورۃ العصر میں وتواصو کا استعمال ہے وہ وصیت جو نہ کہ نصیحت کے معنی میں استعمال ہوئی ہے۔**

حضرت مسیح موعودؑ کی باہمی ہمدردی کے بارے میں تلقین

پچھلے دنوں یہاں جو ملفوظات پڑھے جا رہے تھے ان میں حضرت صاحب نے ہمدردی کے حوالے سے لکھا ہوا تھا کہ ''ہمدردی جسمانی ہوسکتی ہے، روحانی ہوسکتی ہے اور دعا بھی ہوسکتی ہے''۔

جسمانی ہمدردی کی مثال دیتے ہوئے آپ نے لکھا کہ مثلاً کوئی گرا پڑا ہے اور ہم اس کے ساتھ ہمدردی کی وجہ سے چاہتے ہیں کہ اس کو اٹھا کر ایک طرف نقصان سے دور لے جائیں لیکن ہم خود اتنے کمزور ہیں کہ ہم اس کی مدد نہیں کرسکتے۔ روحانی ہمدردی میں بھی رکاوٹ آجاتی ہے۔ مثلاً ہم چاہتے ہیں کہ ہم اٹھیں اور نمازیں پڑھیں اور ایسا زمانہ آجاتا ہے کہ فالج ہوجاتا ہے اور ہم میں یہ طاقت ہی نہیں رہتی کہ ہم اٹھ سکیں۔ **لیکن دعا کے ذریعہ جو ہمدردی ہے وہ آخری سانس تک ہم ادا کرسکتے ہیں۔**

حضرت مسیح موعودؑ کی دعاؤں کی تاکید

دعاؤں پر حضرت صاحب نے بہت زور دیا ہے۔ اور دعاؤں کے ساتھ ہی جماعتوں کی تقدیریں بدلتی ہیں اور ان کے اوپر ہمارا بہت سہارا ہے اور جیسا میں نے افتتاحی تقریر میں کہا تھا کہ ہم کسی جج کا دروازہ کھٹکٹانے کے قابل نہیں رہے، یہاں پر دروازے کھٹکٹا چکے ہیں، کیس ہار چکے ہیں۔ یہاں پر یہ کہنا تھا کہ تم کافر ہو اور کافر ہی رہوگے۔ وہاں پر جج نے اتنا بڑا فیصلہ سنا دیا۔ جب اصول بنانے والے ہی جج، جب اصول بنانے والے سیاستدان، جب اصول بنانے والے ہی جرنیل تو پھر آپ کس جرنیل کے پاس، کس جج کے پاس، کس سیاستدان کے پاس اپنا کیس لے کر جائیں گے۔ کس میں اتنی قوت ایمانی ہوگی کہ وہ کہے گا کہ میں اس پوزیشن سے ہٹ کر احمدیوں کی خاطر اپنی گردن کو آگے رکھتا ہوں۔ صرف دعا ہی ہے جس کے ذریعہ ہم تمام حاکموں کے حاکم سب منصفوں کے منصف اللہ سے انصاف طلب کرسکتے ہیں اور پا سکتے ہیں۔ ہم صرف اسی کے رحم کا دروازہ کھٹکٹائیں۔

خدا کی ہستی کو جب ہم یہ جانیں گے کہ وہ علی کل شئی قدیر ہے، اسی

اختتامی خطاب و دُعا

برموقع سالانہ دعائیہ 2012ء، فرمودہ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

بمقام جامع دارالسلام، لاہور

اللہ بے انتہا رحم والے، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے۔

"سب تعریف اللہ کے لئے ہے، (تمام) جہانوں کے رب، بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے، جزا کے وقت کے مالک (کے لئے)۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں تو ہم کو سیدھے رستے پر چلا۔ ان لوگوں کے رستے (پر) جن پر تو نے انعام کیا نہ ان کے جن پر غضب ہوا اور نہ گمراہوں کے۔"

اللہ بے انتہا رحم والے، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے۔

"زمانہ گواہ ہے، کہ انسان نقصان میں ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لاتے اور اچھے عمل کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کرتے ہیں۔"

آج ہمارا سالانہ دعائیہ اختتام پر پہنچنے کو ہے اور میں نے جو خطاب اس وقت کرنا ہے اس کے لئے میں نے **سورۃ فاتحہ** اور **سورۃ العصر** کا انتخاب کیا ہے۔ سورۃ الفاتحہ اللہ کا شکر ادا کرنے، اللہ کی تعریف کرنے، اس سے ہدایت اور سیدھا راستہ مانگنے اور اس سے گمراہی اور اس کے غضب سے بچنے کے لئے پڑھی۔

میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے ہمیں ایک اور سال زندگی کا دیا۔ جیسے میری تقریر میں آپ سب نے محسوس کیا ہوگا کہ جن لوگوں کے نام لئے گئے اور جن کے لئے دعائیں کی گئیں ان میں سے قریب بہتوں نے یہ عزم بھی کیا ہوگا اور تمنا بھی ان کی ہوگی کہ وہ پھر اس سال ہمارے درمیان بیٹھ کر اس دعائیہ میں شامل ہوں گے کیونکہ موت کی گھڑی صرف اللہ کو پتہ ہوتی ہے۔ وہ لوگ ہمارے درمیان باوجود اپنے نیک ارادوں کے شامل نہ ہو پائے لیکن کیونکہ انہوں نے ایک عزم کر رکھا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کا اجر بھی دیا ہوگا اور ہم جتنے یہاں بیٹھے ہیں ہم بھی یہی عزم کریں کہ ہم ضرور انشاء اللہ پھر یہاں پر آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق اور موقع عطا فرمائے۔ آمین

میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ ہماری تمام جماعتوں کے لوگ اور باہر ممالک کے لوگ بھی آ سکے اور میں اللہ سے یہ بھی دعا کرتا ہوں کہ ان تمام شرکاء کو جو خانہ خدا میں حاضر ہیں اور جو ٹرانسمیشن کے ذریعہ شامل ہیں۔ ان تمام کا یہ مجاہدہ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور ان مبارک دنوں میں جو ہم نے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اپنے گھروں سے، شہروں سے، ملکوں سے دور گذارے تا کہ ہم روحانی ماحول پا سکیں، ہمیں ان دنوں کی وجہ سے جو کچھ حاصل ہوا اس کا ہمیں فائدہ عطا فرمائے اور جو ہمارے حوصلوں کو جو عزم اور تازگی ملی اور جو ہمیں نیا جذبہ اور جو نئی طاقت ہمارے دلوں کو ملی اللہ اس کو بھی قائم رکھے۔ اور جو دینی اضافہ یہاں بیٹھ کر ہوا اس سے بھی ہم فائدہ اٹھا سکیں اور جو نیکی کا بیج ہمارے دلوں، دماغوں اور ذہنوں میں اللہ کی طرف سے ڈالا گیا، اللہ تعالیٰ اسے تازہ رکھے اور ہم اپنی آنکھوں سے اس کا اثر دیکھیں۔ اس کا اثر دیرپا ہو اور ہم ان نئے پودوں کو جو ہمارے ذہنوں میں لگے ہیں ان کی نگہداشت بھی کرتے رہیں اور جو نیکیاں ہمیں اللہ تعالیٰ نے کرنے کا موقع عطا فرمایا، نمازوں میں شرکت کی توفیق دی اور جو ہم نے دعائیں کی اللہ تعالیٰ ان تمام دعاؤں کو قبولیت بخشے۔ آمین

ترقی کرنا اور پھر آگے بڑھتے جانا ہر ایک کا عزم ہوتا ہے۔ ایک سنہری اصول ہے کہ جو آپ ارادہ کریں اس ارادے کو آپ بھول نہ جائیں اس کو جتنی جلدی آج کسی وقت جو چیز کرنی ہو اس کو لکھ لیں اور اس کو دوہرائیں بھی اور جو جو چیز آپ نے لکھی ہو اس کو کر کے دکھائیں کیونکہ انسان کا ذہن ہے اس میں اگر آپ نے چیزیں نوٹ نہ کی ہوں تو پھر یہ آپ کے ذہن میں سے نکل جاتی ہیں اور اگر آپ کے اندر کوئی ارادہ بنا ہے، ہر ایک میں کوئی نہ کوئی نیکی آئی ہوگی جس میں اس

کے ہاتھ میں ساری بہتری ہے تو پھر اس یقین کے ساتھ جب ہم سجدوں میں پڑ جائیں گے۔ اپنی نمازوں کو قائم کرنا سیکھ جائیں گے۔ **ایاک نعبد وایاک نستعین** کا مفہوم سمجھنے لگ جائیں گے، اسی سے مدد چاہیں گے، اس ہی کی عبادت کریں گے۔ تو پھر اس کا رحم جوش میں آئے گا۔ اس اللہ نے یہ وعدہ کر رکھا ہے کہ یہ جماعت دنیا میں پھیلے گی، کونے کونے میں پھیلے گی، ریت کے ذروں کی طرح اس کی تعداد ہوگی لیکن اس کے کہہ دینے سے اور آپ کے سن لینے سے اور پھر عملاً کچھ نہ کرنے سے تو یہ ذروں کی طرح نہیں پھیلے گی۔ **اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ہم اپنے تمام ارادوں پر عمل کریں اور یہی جماعت کی ترقی کا ذریعہ ہوگا۔**

ہم اکثر حوالہ دیتے ہیں کہ مولانا نور الدین رحمتہ اللہ علیہ نے یوں کہہ دیا، میں کیا کہوں حضرت صاحب نے یہ کہہ دیا، پھر جو سننے والا ہے وہ شاید یہ تاثر لے رہا ہوتا ہے کہ ان روحانی شخصیتوں نے تو ان لوگوں کو کہا تھا جو ان کے سامنے بیٹھے تھے۔ ہمیں نہیں کہا، لیکن ان کے پیغام سب کے لئے تھے۔ **جو میں نے یہاں پر لسٹ بنائی ہے اس کو غور سے سن لیں اور جب یہ لسٹ پیغام صلح میں شائع ہو جائے تو اس کو ضرور پڑھیں اور اس پر عمل ضرور کریں۔**

چند ضروری امور کی نشاندہی

سب سے پہلے تو آپ اپنا یہ رویہ بدل لیں کہ ہم پیدائشی احمدی ہیں، ہم دل کے احمدی ہیں۔ اور یہ جو تصور حضرت صاحب لے آئے تھے کہ اس جماعت میں داخل ہونے کے لئے **بیعت کی ضرورت** ہے۔ اس میں دوسری کسی رائے کی گنجائش نہیں۔ جماعت میں مکمل شمولیت بیعت کر کے اور دین کے لئے زندگی و موت کو وقف کر کے داخل ہوں۔

بیعت نامہ کی دس شرائط ہیں وہ گھر گھر میں بھیجی جائیں۔ ایک ٹریک لکھا جائے جو شرائط کے ساتھ بھیجا جائے کہ یہ قرآن کے حکم ہیں۔ جن کی لسٹ مسیح موعود علیہ السلام نے بنائی ہے۔ جو کہتے ہیں کہ بیعت کر لی تو ہمیں سب کچھ کرنا پڑے گا۔ کیا اگر آپ بیعت نہ کریں تو نماز اور تہجد آپ پر فرض نہیں بنتی؟ کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا آپ پر فرض نہیں بنتا؟ کیا اسلام کی خدمت کرنا فرض نہیں بنتا؟ کیا کسی کو دکھ پہنچانا اچھی بات یا بری بات ہے ہمیں نہیں معلوم؟ **ان شرائط کو آپ تک پہنچایا جائے گا ان کو پڑھیں اور غور سے سوچیں کہ ان میں کیا ایسی چیزیں ہیں جو آپ میں تبدیلیاں لا سکتی ہیں۔**

نمازوں کے اوپر خاص توجہ دیں۔ اس زمانہ میں نماز کو قائم کرنے کا حکم پس پشت ڈال دیا گیا ہے۔ احمدی کی پہنچان اس کی نمازیں ہی ہوا کرتی تھیں۔ اس لئے نماز کی طرف خاص توجہ کریں۔

درس قرآن کا سلسلہ احمدیوں نے ہی شروع کیا تھا اس روایت کو قائم رکھیں۔ ہر جماعت اپنی اپنی جماعتوں میں چاہے روزانہ نہیں، ہفتے میں ایک یا دو دن اپنے اپنے گھروں میں جمع کر لیں اور یہ جو ہمارے منتظمہ اور معتمدین کے ممبر ہیں ان کی ڈیوٹی ہر ماہ یہاں آنے اور اپنے اپنے مسائل پیش کرنے کے علاوہ اور بھی بنتی ہے۔ وہ اپنی اپنی جماعتوں میں انچارج ہیں۔ وہ بھی اپنے فرائض کی طرف توجہ دیں۔

بچوں کی تربیت کا خاص خیال رکھیں۔ آج سے دس سال پہلے دعائیہ میں زیادہ تر بوڑھے اور نوجوان اور بچوں کی تعداد بہت کم نظر آتی تھی۔ میرا یہ عزم تھا کہ نوجوانوں اور بچوں کو جماعت کی تمام سرگرمیوں میں شامل کروں اور ان کی حوصلہ افزائی کروں۔ آج کے روز ہم یہ تبدیلی دیکھ سکتے ہیں۔ گن لیں کہ کتنے بوڑھے ہیں اور کتنے نوجوان اور بچے۔ آسٹریلیا میں ایک درخت کٹتا ہے تو دو لگائے جاتے ہیں۔ اس اصول کو جماعت کے فردوں پر لگائیں۔ ہمیں دیکھنا ہوگا کہ کسی گھرانے میں بزرگ کے جانے کے بعد اس کے بچے کو اتنی ٹریننگ مل جانی چاہیے کہ وہ سمجھیں کہ ہمارا مفاد اس جماعت کے ساتھ وابستگی ہے۔

قرآن کریم کی تعلیم پر خصوصی توجہ دیں۔ ناظرہ معنی اور تفسیر کے ساتھ پڑھنا ہے، حفظ کی بھی کوشش کرنی ہے۔ ہمیں یہ بھی انتظام کرنا چاہیے کہ ہم بھی حفظ کا چھوٹا سا ادارہ یہاں بنالیں۔ بڑی خوشی ہوتی ہے باقی جگہوں سے بچے حفظ کر کے آتے ہیں لیکن اپنا خیال کرنا چاہیے کہ بچوں کو ہم کیا دے رہے ہیں۔ ہماری جماعت کا جو قرآنی قاعدہ تھا۔ وہ ساری دنیا استعمال کرتی تھی۔ اس کی اشاعت کچھ عرصہ سے نہیں ہوئی۔ اس کو دوبارہ چھاپا جائے گا۔

جماعت کے کاموں کے لئے وقت دیں اور جو منتظمہ اور معتمدین کے ممبرز ہیں وہ بجائے سال کے آخر میں ایک خط لکھنے کے ہمیں ہر ماہ کے آخر میں خط لکھیں کہ اس جماعت کے کس فرد، کس جوان، کس بچے نے جماعت کے لئے اس

ماہ کیا خدمات سرانجام دی ہے۔ وہ یہ رپورٹ بھی دیں کہ ہماری جماعت میں کتنے خاندان ہیں اور وہ جماعت کے لئے کیا فرائض ادا کر رہے ہیں۔

دینی کتب کا مطالعہ جماعت کی طرف سے نصاب کے طور پر ایک ایک کتاب کو منتخب کر کے بھجیں گے۔ ان کو پڑھا جائے تا کہ ہمیں اپنے عقائد سے بہتر آگاہی ہو۔

چندے اپنی حیثیت کے مطابق دیں۔

بچوں کا تربیتی کورس ہماری جماعت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ اپنے اپنے بچوں کی اس میں شمولیت کو ممکن بنائیں اور ابھی سے جو آئے ہیں وہ آتے رہیں اور باقی بچوں کی شمولیت کو بھی ممکن بنائیں۔ جو بچے اس لئے نہیں آسکتے کہ سفری اخراجات برداشت نہیں کر سکتے تو ان کو درخواست دینے پر کرایہ اپنے فنڈ سے ادا کروں گا۔

LASER جو ہمارا مبلغین کا سکول ہے اس کی طرف بھی توجہ کریں۔

اور بچوں کو ترجیحاً مبلغ اسلام بنانے میں جماعت سے تعاون کریں۔

جتنے لوگ یہاں پر آئے وہ نہ آنے والوں سے بہتر ہیں۔ کچھ لوگ اس لئے نہیں آتے کہ ان کے گھروں میں مجبوریاں ہوتی ہیں وہ بات سمجھی جاسکتی ہے۔ لیکن ایسے لوگ بھی ہیں جو کہیں گے ہم پانچ بھائی ہیں آپ تین جائیں ہم دو گھر کا خیال رکھتے ہیں۔ آپ بے فکر ہو کر چلے جائیں تو ان کو بھی اللہ تعالیٰ اتنا ہی ثواب دیتا ہو گا جتنا شامل ہونے والوں کو ملتا ہے۔ اگلے سال جو دعائیہ ہو گا وہ ہماری جماعت کے قیام کا ''سو سالہ جلسہ'' ہو گا۔ آپ سب ابھی سے عزم کر لیں کہ ہم اس جلسے میں آئیں گے۔

ایک منٹ کے لئے کوئی احمدی تصور نہ کرے کہ وہ کافر ہے۔ یہ خیال دل میں سے نکال دیں۔ اپنے آپ کو کافر سمجھ کر نہ پھریں بلکہ اپنے آپ کو مسلمان سمجھ کر سینہ تان کر پھریں۔

احمدیوں کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟

اس بارے میں سوالات ہیں۔ ہمارے پہلے امیر نے جماعت کو ایک نظام دیا ہے۔ اس پر عمل کریں۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مکمل اطاعت کریں اور امیر جماعت کے جو احکامات ہوں ان کی اطاعت کریں۔ جماعت بندی کی خواہش ہر ایک کرتا ہے۔ اس کی طرف پہلا قدم جو بھی آپ کا امیر ہو اس کی اطاعت کریں۔ مجھے امید ہے کہ آپ ہی میں سے کوئی عبدالحق ودیارتھی اور کوئی خواجہ کمال الدین کہلائے گا۔

جماعت میں تفرقہ بازی سے باز رہو۔

ہمارے ایک چھوٹے سے بچے مجاہد احمد نے اس سال سب سے زیادہ نمازیں ادا کیں۔ میں خاص کر اس بچے کی ماں کو مبارک باد دیتا ہوں۔ جو اسے صبح صبح نیند سے اٹھا کر نماز کے لئے بھیجتی رہی۔ میرا یہ آپ سب بچوں سے چیلنج ہے کہ اس بچے کو ہرا کر دکھاؤ۔

بقول حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ بھیڑیا اسی بکری کو کھاتا ہے جو ریوڑ سے دُور ہو جائے۔ جماعت میں نفرت اور بد دلی پھیلانے سے باز رہنا چاہیے۔ جو بھی کام ہم کریں وہ اللہ کی رضا کے لئے کریں اور اَنا پرستی کی بجائے اللہ سے بہتر بدلے کی امید رکھیں۔

آخر میں ہم سب اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اُس نے ہمارے اس دعائیہ کو بحفاظت آخری دن تک پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان لوگوں میں دین کا نیا علم آیا ہے اس کو استقامت کے ساتھ ان کے ساتھ واپس لے جائے۔ اللہ تعالیٰ تو ان کے ساتھ رہ، ان کی مدد کر، ان کو اپنی اولادوں کی پرورش کرنے کی توفیق عطا فرما۔ ہمارے سامنے جو پہاڑ ہیں، جو رکاوٹیں ہیں ان کو ریزہ ریزہ کر، تو ہمیں توفیق عطا فرما کہ ہم تیرے دین کے خادم بنیں تا کہ ہم جماعت کو بڑھائیں۔ ہمیں عملاً احمدی بنا، یا رب العالمین جن لوگوں نے اس دعائیہ میں آ کر اپنا خرچہ کیا، اپنا وقت دیا اور یہاں پر بیٹھ کر صرف اور صرف دین کی باتیں سنیں، ان کی زندگیوں میں برکت ڈال دے، ان کے رزق میں برکت ڈال دے۔ ہمیں قرآن پڑھنے والے، قرآن پڑھانے والے، قرآن پر عمل کرنے والے احمدی بنا۔ یا رب العالمین جو لوگ اس سال ہم میں نہیں ہیں ان کے درجات بلند کر۔ آمین

☆☆☆☆

مجاہد کبیر (کتاب)

حضرت ڈاکٹر بشارت احمد مرحوم و مغفور

1876ء-----1943ء

حضرت ڈاکٹر بشارت احمد مرحوم اکتوبر 1876ء میں دھرم سالہ میں پیدا ہوئے۔ سیالکوٹ میں آپ نے ابتدائی تعلیم پائی اور اس کے بعد لاہور میں میڈیکل کالج میں داخل لیا۔ ڈاکٹری پاس کر کے سب سے پہلے بسلسلہ ملازمت افریقہ گئے۔ اس کے بعد پنجاب کے مختلف مقامات پر متعین رہے۔ 1906ء میں آپ نے بیعت کی اور قادیان کے ساتھ وہی تعلق پیدا ہو گیا جو بعض اور اکابر کی زندگیوں میں نظر آتا ہے کہ ہر ممکن موقع پر وہاں کھنچے چلے جاتے تھے۔ 1910ء میں آپ کی بڑی صاحبزادی کی شادی مولانا محمد علی صاحب کے ساتھ ہوئی اور علاوہ آپ کی ان خصوصیات کے جن کا ذکر آگے آئے گا یہ ایک جسمانی رشتہ بھی آپ کا مولانا محمد علی صاحب کے ساتھ قائم ہو گیا اور یہ دونوں بزرگ ایک دوسرے کے بہت قریب ہو گئے۔ 1931ء میں لدھیانہ سے ڈاکٹر صاحب اپنی ملازمت سے ریٹائر ہوئے۔ اس وقت آپ کو ایک ریاست میں ایک نہایت معقول پیش کش ملازمت کی آئی۔ آپ نے مولانا محمد علی صاحب کو اس کے متعلق لکھا اس کے جواب میں مولانا نے ان کو ایک شعر لکھ بھیجا۔

عمر بگذشت و نماندست جز ایامے چند
بہ کہ در یاد کسے صبح کنی شامے چند

ڈاکٹر صاحب پر اس کا ایسا اثر ہوا کہ اس کے بعد آپ نے لاہور میں ہی سکونت اختیار کر لی۔ اس شعر کو ڈاکٹر صاحب نے چوکھٹے میں لگوا کر اپنے کمرے میں آویزاں کر لیا تھا اور ان کی وفات کے بعد ان کی یادگار کے طور پر مولانا محمد علی صاحب نے یہ چوکھٹا لے کر اپنے دفتر میں لگا دیا۔ اور پھر خدمتِ قرآن اور جماعت کی تقویت کے لئے جو کارہائے نمایاں انہوں نے کئے وہ ہمیشہ کے لئے زندہ رہیں گے۔ ڈاکٹر صاحب کی بے نظیر شخصیت اور قرآن کے ساتھ ان کی محبت کی ایک جھلک حضرت مولانا محمد علی کے اس خطبہ جمعہ میں اور اس مضمون میں نظر آتی ہے جو آپ کی وفات کے بعد پیغام صلح میں نکلے۔ جمعہ کے روز ڈاکٹر صاحب مرحوم کی تدفین ہوئی اور اس روز کے خطبہ میں مولانا محمد علی صاحب نے فرمایا کہ میرے دل کی جو حالت ہے وہ اس قابل نہیں کہ میں خطبہ کے لئے کھڑا ہوتا لیکن ڈاکٹر صاحب مرحوم کی زندگی سے جو سبق ہمیں ملتے ہیں وہ جماعت کو بتانا ضروری سمجھتا ہوں۔ اس سلسلے میں فرمایا:

''ڈاکٹر بشارت احمد صاحب معمولی انسانوں میں سے نہ تھے بلکہ اولیاء اللہ میں سے تھے جن کی زندگی لوگوں کے لئے ایک نمونہ تھی۔ حضرت مرزا غلام احمد صاحب کو قرآن سے جو عشق تھا اس کو کون پہنچ سکتا ہے پھر آپ کے بعد حضرت مولانا نورالدین صاحب کو قرآن سے کمال عشق تھا اور ان کے بعد عشق قرآن کا کمال ڈاکٹر بشارت احمد صاحب مرحوم دکھایا کرتے تھے۔ ڈاکٹری اور سرکاری ملازمت میں جہاں کہیں گئے درسِ قرآن کا سلسلہ جاری کیا اور اس درس میں کیا کشش تھی کہ احمدی تو کیا غیر احمدی بھی ایک دفعہ ان کا درس سن لیتے تو پھر بار بار جاتے۔ ابھی اسٹیشن پر ایک نوجوان دوست نے مجھے کہا کہ ڈاکٹر صاحب عاشق قرآن تھے اور ہم نوجوان ان کے درسِ قرآن کے عاشق تھے۔

مجددِ اعظم کی تصنیف کی وجہ سے ان کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔ دو جلدیں چھپ چکی تھیں اور تیسری جلد کا مسودہ تیار کر لیا تھا۔ غرض اس کام کی تکمیل ہو گئی تو خدا نے انہیں اپنی طرف بلا لیا۔

ساری زندگی ڈاکٹر صاحب کی اعلیٰ کاموں میں صرف ہوئی۔ خدمتِ خلق کے دو دریا ان کے اندر جاری تھے ایک لوگوں کی جسمانی بیماریوں کا علاج دوسرے روحانی بیماریوں کا علاج۔ وہ یتیموں اور غریبوں کی مدد کرتے تھے اور ان کو اچھی جگہ پر پہنچاتے تھے۔ اولاد بھی انہوں نے بہت نیک چھوڑی۔ ان کی وفات سے ہماری جماعت کا ایک ستون گر گیا ہے لیکن اپنے دو بیٹوں کی شکل میں دو ستون قائم کر گیا ہے۔''

اس خطبہ کو آپ نے ان الفاظ پر ختم کیا:

''آؤ ہم بھی اپنی پوری طاقت اور قوت کو اللہ تعالیٰ کے دین کی اشاعت کے

لئے خرچ کر دیں۔ بہت تھوڑے دن ہماری زندگی کے باقی ہیں میں تو دو سال ڈاکٹر صاحب سے بڑا ہوں۔ جو دن گذرتا ہے اس کو غنیمت سمجھتا ہوں۔ آؤ اپنی زندگی کو خدا کے رستے میں لگا دو تم خدا کے نام کو زندہ کرو خدا تمہارے ناموں کو زندہ کرے گا۔''

حضرت مولانا محمد علی صاحب کے مضمون ''دو دو گونہ قابل رشک زندگی'' پیغام صلح 22-06-1943 کے بعض حصے درج ذیل ہیں۔ آپ نے فرمایا:

''حدیث میں آتا ہے کہ دو آدمیوں کی زندگی قابل رشک ہے ایک وہ جس کو اللہ تعالیٰ مال دے اور پھر اس مال کو راہِ حق میں خرچ کرنے پر مسلط کرے اور دوسرا وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ علم دے اور وہ اس کے مطابق فیصلے کرے اور اس کی تعلیم دے۔ کس قدر قابلِ رشک ہے وہ زندگی جسے ان دونوں باتوں کی توفیق ملی یعنی وہ اپنے مال کو بھی راہِ حق میں خرچ کرے اور اپنے علم سے بھی دنیا کو فائدہ پہنچائے۔

جب سے ڈاکٹر صاحب سلسلہ احمدیہ میں شامل ہوئے۔ اپنے مال کا مقررہ حصہ خدا کی راہ میں اس طرح خرچ کیا گویا وہ ان کا مال ہی نہ تھا۔ چندے کو ایک امانت سمجھ کر اپنے مال سے الگ کرتے تھے اور ہر تحریک میں سابقون میں سے ہوتے تھے متوکل انتہاء درجہ کے تھے۔ عشق اور فہم قرآن کے علاوہ حضرت مولانا نورالدین صاحب کی بہت سی صفات ڈاکٹر صاحب میں تھیں۔ اپنے ترکہ کا ایک تہائی حصہ انہوں نے انجمن کے لئے چھوڑا۔ ایک تہائی سے زیادہ وصیت کی۔ اجازت شریعت نہ دیتی تھی۔ جس نے ایک تہائی دیا اس نے سب کچھ ہی دے دیا۔ آپ کی زندگی اوّل سے آخر تک مال کو خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی روشن مثال نظر آتی ہے۔ ایک ایسے زمانے میں جبکہ دنیا کے دوزخ کے ھل من مزید کے نعرے فضائے آسمانی میں گونج رہے ہیں۔ اور ابن آدم کا چھوٹا سا پیٹ جو ایک دن چار مٹھی مٹی سے بھر جائے گا۔ سونے اور چاندی کے انباروں سے نہیں بھرتا۔ اور ہر شخص کے دل و دماغ کو مال دنیا کی ہوس بھسم کئے جا رہی ہے۔ اس قسم کا انسان جس کے قلب کے کسی گوشہ کو مال کی محبت چھو بھی نہ گئی ہو۔ یقیناً اولیاء اللہ میں سے ہے۔ بات یہ ہے کہ مال کی محبت اور خدا کی محبت ایک دل میں جمع نہیں ہوتیں جب کہ مال کی محبت کی نجاست سے انسان کا دل صاف نہیں ہوتا اس وقت تک اس کی تطہیر بھی نہیں ہوتی۔

ایک اور کمال ڈاکٹر صاحب مرحوم کے اندر تھا جسے ہمارے سید و مولیٰ نے دوسری قابلِ رشک چیز بتایا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے پاک کلام کا اعلیٰ درجہ کا علم و فہم دیا اس کے ساتھ ہی یہ توفیق دی کہ اس علم کو آپ نے دوسروں تک پہنچایا اور پھر اس خوبی سے پہنچایا کہ جو قرآن کا عشق اپنے دل میں تھا اس کو ان لوگوں کے دلوں میں بھی پیدا کر دیا جنہوں نے آپ کا درس قرآن سنا یا آپ کی تفسیر قرآن پڑھی۔ آپ کے قرآن کے فہم میں جو خوبی میں نے دیکھی وہ ایک روحانیت کا تموج تھا جس سے ان کی باتیں حق الیقین کی طرح دل میں گڑھ جاتی تھیں۔ طرز بیان بھی اعلیٰ درجہ کا موثر تھا۔ تحریر میں بھی اور تقریر میں بھی۔

خدا اور اس کے رسولؐ اور اس کے کلام کی محبت کے ساتھ ایک اور عشق بھی ڈاکٹر صاحب کے دل میں تھا اور وہ اس شخص کے ساتھ عشق تھا جس نے کلام الٰہی کا عشق ان کے دل میں پیدا کیا یعنی امامِ زماں سے عشق۔ ملازمت سے ریٹائر ہو کر اور ساٹھ سال کی عمر کو پہنچ کر وہ کام انہوں نے کیا جو نہ صرف دنیا میں ہمیشہ ان کے نام کو زندہ رکھے گا بلکہ اس بات کا بھی گواہ رہے گا کہ عشق انسان کے دل میں کس قدر قوت پیدا کر دیتا ہے یہ کام تھا ''مجدد اعظم'' کی تصنیف، 1936ء جب آپ کی عمر ساٹھ سال کی ہو چکی تھی اور بیماری سے صاحب فراش تھے رفیقہ حیات کے داغ مفارقت دینے کی وجہ سے دو بچیوں کا بوجھ سر پر تھا مگر آپ نے اپنی اس دل کی تڑپ کے باعث جس کا ذکر آپ نے مجدد اعظم کے دیباچے میں کیا ہے دو ہزار صفحات کی ایک عظیم الشان کتاب کی تیاری کا بیڑہ اٹھایا جس کے لئے بیس پچیس ہزار صفحات کی ورق گردانی کی ضرورت تھی۔ یہ امام زماں کا عشق تھا۔

ولایت وہ ہے جسے بیوی بچے تسلیم کریں باہر بیٹھ کر بہت سے ولی بن سکتے ہیں۔ گھر کے اندر ولی بننا مشکل ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم گھر کے اندر بھی ولی تھے اور باہر بھی۔

میرے لئے ہمیشہ وہ بمنزلہ ایک ایسے دوست کے تھے کہ دل پر کوئی غم ہوتا تو وہ اس سے مل کر ہی ہلکا ہو جاتا۔ گو میں اسے بیان کروں یا نہ کروں اور میری اکثر عادت یہی تھی کہ بیان نہ کرتا۔

حضرت ڈاکٹر بشارت احمد مرحوم اپنی زندگی کے حالات خود تحریر فرماتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

آخر گلِ اپنی صرف درِ میکدہ ہوئی
پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

مذہب سے دلچسپی مجھے بچپن سے تھی۔ ابتدائے عمر سے ہی علماء دین کی صحبت سے مستفیض ہونے کا شوق بے حد تھا۔ کوئی معمولی مولوی کوئی واعظ اگر قرب و جوار میں آتا اس کے وعظ میں پہنچے بغیر مجھے چین نہ پڑتا تھا۔ میرے آباؤ اجداد حنفی المذہب تھے مگر میری طبیعت میں جہاں مذہب کا شوق تھا۔ وہاں مذہبی مسائل میں تحقیقات کرنے کا بھی عشق بدرجہ کمال تھا۔

میرے ملنے والوں میں اہلِ حدیث بھی تھے، تحقیقات کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہلِ حدیث میں میں شامل ہو گیا۔ مجھے سمجھ نہیں آتا تھا کہ حدیث کے ہوتے ہوئے کسی امام کے قول کو ترجیح کس طرح دی جاسکتی ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب اہلحدیث وہابی کہلاتے تھے اور انہیں مسجدوں میں ماریں پڑتی تھیں اور مسجدوں سے نکلوائے جاتے تھے۔ ہمارا خاندان ان دنوں سیالکوٹ میں تھا۔ رہتے صدر بازار میں تھے مگر میں پڑھتا شہر میں سکاچ مشن ہائی سکول میں تھا۔ میں نے وہابی ہوتے ہی صدر کی بڑی مسجد میں سینہ پر ہاتھ باندھا اور آمین بالجہر کہنا شروع کر دیا۔ امام مسجد مولوی مبارک علی مرحوم تھے۔ انہوں نے کچھ نہ کہا کیونکہ وہ صاحب علم تھے لیکن مقتدیوں میں کھلبلی پڑ گئی۔ بہت شور و غل ہوا۔ خطرناک دھمکیاں مجھے دی گئیں۔ آخر کار رپورٹ ہمارے خاندان کے بزرگ میرے دادا کو پہنچائی گئی وہ مجھ پر بہت خفا ہوئے۔ میں نے ان سے تو کچھ نہ کہا لیکن جمعہ پڑھنے شہر میں اہل حدیثوں کی مسجد میں جانے لگا جہاں مولوی عبدالکریم مرحوم نماز پڑھایا کرتے تھے اور بڑی آزادی سے رفع یدین اور آمین بالجہر کہنے لگا۔

میرے ہم جماعتوں میں مولوی قائم الدین مرحوم اور ڈاکٹر سر اقبال بھی تھے۔ وہی ڈاکٹر اقبال جو مشہور شاعر اور فلسفی تھے۔ پادری ینگ سن ہمارے پرنسپل تھے اور بہت سمجھدار پادری تھے۔ مولوی قائم الدین مرحوم اور ڈاکٹر اقبال انجیل کے گھنٹہ میں ان سے اکثر بحث و مباحثہ کیا کرتے تھے مگر مسیحؑ کی حیات کے مسئلہ میں اور ان کی فضیلت کے بارہ میں جو گفتگو ہوتی تھی اس میں پادری صاحب کے مقابل میں ان کا رنگ پھیکا پڑ جاتا تھا اور ایک دفعہ تو ایسا غضب ہوا کہ جب پادری ینگ سن قرآن کریم کی آیت اذقال اللّٰہ یعیسیٰ انی متوفیک و رافعک الی پیش کر کے مسیح کی فضیلت دکھا رہے تھے تو ڈاکٹر اقبال کچھ ایسے زچ ہوئے کہ کہنے لگے یہ آیت قرآنی نہیں ہے۔ یہ پادری کی صریح فتح تھی قرآن میں یہ آیت موجود تھی۔ ہمیں بڑی شرمندگی ہوئی۔ میں دل میں کڑھتا رہا اور کبھی کبھی نعوذ باللہ خدا تک سے ناراض ہوتا رہا کہ اس نے ناحق مسیحؑ کو آسمان پر چڑھا کر مسلمانوں کو عیسائیوں کے سامنے ذلیل کرا دیا۔ آخر رات دن پادریوں سے اسلام کے خلاف باتیں سننے کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجھے اسلام کی صداقت پر شبہات پیدا ہو گئے اور کئی دفعہ خیال ہوا کہ اسلام کو چھوڑ دینا چاہیے۔ آریہ سماج کا نیا نیا چرچا تھا۔ ہندو لڑکے اس کی خوبیوں کی بڑی شیخیاں مارا کرتے تھے۔ مجھے کئی مرتبہ خیال آیا کہ کیوں نہ آریہ بن جاؤں لیکن بچپن سے جو اسلام سے محبت تھی وہ یہ بھی گوارا نہ کرتی تھی۔ ہمارے علماء جن سے ہمیں عقیدت تھی وہ ہماری تسلی نہ کر سکتے تھے۔

طبیعت کی اس بے چینی کے زمانہ میں جو 1891ء تھا ایک روز میں اپنے صحن میں پلنگ پر لیٹا ہوا تھا کہ میرے سرہانے کی طرف سے میرے دادا جان نے ایک کتاب مجھے دکھائی کہ دیکھو چودھویں صدی کا کرشمہ ایک شخص مرزا غلام احمد قادیانی نے یہ کتاب شائع کی ہے۔ میں نے کتاب کو دیکھا تو وہ فتح اسلام تھی۔ میں نے اس کتاب کو پڑھنا شروع کیا۔ پڑھتے ہی اس کی طرز تحریر میرے دل میں گھس گئی جیسے جیسے میں پڑھتا جاتا تھا اس کتاب کی باتیں میرے سینہ و قلب میں اترتی چلی جاتی تھیں۔ اور جب وفاتِ مسیح پر میں نے دلائل پڑھے تو میں خوشی سے اچھل پڑا۔ میں نے وہ کتاب جب تک ختم نہیں کر لی ہاتھ سے نہیں چھوڑی۔ اور میں نے اپنے دادا جان کو صاف کہہ دیا کہ یہ شخص صادق ہے۔ اس پر وہ فرمانے لگے کہ نہیں تم سچے ہو تم نے ہمارے علماء دین کو ابھی دیکھا کہاں ہے۔ وہ اس شخص پر ایک عالمگیر کفر کا فتویٰ تیار کر رہے ہیں مگر میرے دل میں اس کتاب کی صداقت کا اثر پڑ چکا تھا۔ وفاتِ مسیح کو چھوڑنے کے لئے میرا دل تیار نہ ہوتا تھا مجھے یہ گوہر مقصود بڑی تمناؤں کے بعد ملا تھا۔ وہی آیت اذقال اللّٰہ یعیسیٰ انی متوفیک و رافعک الی جو ہمیشہ دل میں کھٹکتی تھی اب اپنی پوری خوبصورتی کے ساتھ میرے دل کو تشفی دے رہی تھی اب یہ حالت تھی کہ صدر بازار سیالکوٹ میں کوئی مجلس اور کوئی تقریب نہ ہوتی تھی جہاں لوگ جمع ہوتے ہوں اور حضرت مرزا صاحب کا ذکر ہوتا ہو لیکن ہمیشہ مخالفانہ رنگ میں۔

انہی دنوں میں نے ایک خواب دیکھا جو اپنے رنگ میں عجیب تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک بہت بلند مینار ہے۔ جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور میں

شوق زیارت میں اس کی سیڑھیوں پر چڑھ رہا ہوں اور میری زبان پر یہ شعر جاری ہے:

کوئی سبحانی کہے کوئی انا الحق بلبلائے

بل بے تیرا بلبلانا یہ مقامِ غور ہے

یہی شعر پڑھتے پڑھتے اور سیڑھیاں چڑھتے چڑھتے آنکھ کھل گئی۔ اس وقت تو مجھے اس کی تعبیر سمجھ نہ آئی تھی۔ لیکن آج سمجھ آ رہی ہے کہ سبحانی اور انا الحق پر غور کرنے میں اشارہ اسی بروز کے مسئلہ پر غور کرنا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف لانا آپ کے بروز کا ظہور تھا اور مینار پر ظہور کا مطلب وہی تھا جو حضرت مرزا صاحب کو الہام ہوا تھا کہ:

''پائے محمدیاں بر منار بلند تر محکم افتاد''

خیر کچھ دنوں بعد غلغلہ ہوا کہ مرزا غلام احمد صاحب سیالکوٹ تشریف لا رہے ہیں۔ اس سے قبل ہم مولوی نور الدین صاحب بھیروی۔ عبد المنان صاحب وزیر آبادی، شیخ الکل مولانا نذیر حسین صاحب دہلوی کی آمد آمد سیالکوٹ میں دیکھ چکے تھے۔ اب اس آمد پر بھی ہم شہر گئے حضرت مرزا صاحب اس وقت حکیم حسام الدین مرحوم کے مکان پر تھے اور کوچہ لوگوں سے پٹا پڑا تھا۔ میں اور میرا ایک رفیق بھیڑ چیرتے ہوئے آگے پہنچے تو دیکھا کہ حضرت مرزا صاحب ایک مکان سے نکل کر دوسرے مکان میں تشریف لے گئے اس تھوڑے سے عرصہ میں میری نگاہ جو حضرت کے چہرہ پر پڑی تو مجھے تقدس اور نور کی کچھ ایسی جھلک نظر پڑی کہ بے اختیار میرے دل نے کہا کہ یہ جھوٹے کا منہ نہیں ہوسکتا۔ یہ ایک صادق کا نورانی چہرہ ہے۔ اس کے بعد حضرت مرزا صاحب نے حکیم حسام الدین مرحوم کی مسجد میں عصر کی نماز پڑھائی اور ہم نے آپ کی اقتدار میں نماز پڑھی۔ اس کے بعد آپ مسجد کے در پر بیٹھ گئے اور لوگ کثرت سے مسجد میں جمع تھے اور قسم قسم کے سوالات مختلف مسائل اسلامیہ پر کرتے تھے۔ اور آپ ایسا تشفی بخش جواب دیتے تھے کہ ایمان تازہ ہو جاتا تھا۔ مولوی عبد الکریم صاحب اہلحدیث کے امام بیعت کر چکے تھے۔ میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ مجھے کہنے لگے کہ دیکھو چہرہ پر کیا نور برس رہا ہے میں نے اس کی تصدیق کی اور شام کو ہم واپس چلے آئے لیکن طبیعت بہت متاثر تھی۔ دوسرے دن گئے تو حضرت مرزا صاحب نے سورۃ فاتحہ کی تفسیر بیان فرمائی۔ آج تو وہ زمانہ ہے کہ احمدیوں کا بچہ بچہ اس تفسیر سے واقف ہے مگر چونکہ سورۃ فاتحہ کی وہ تفسیر اس وقت پہلی مرتبہ ہمارے کانوں میں پڑی اس لئے ان حقائق و معارف کو سن کر ہماری آنکھیں کھل گئیں اور پہلے تمام علماء کے وعظ اس کے سامنے ہیچ نظر آنے لگے۔ ڈاکٹر اقبال صاحب اس وقت مسجد کی ڈیوڑھی کی چھت پر بیٹھے تھے اور اس تفسیر کی تعریف میں رطب اللساں تھے۔

غرضیکہ چند دن حضرت مرزا صاحب سیالکوٹ رہ کر تشریف لے گئے۔ سیالکوٹ میں بہت سے لوگوں نے بیعت کر لی۔ انہی میں مولوی مبارک علی مرحوم بھی تھے جو ہماری صدر کی جامع مسجد کی امام تھے اس پر صدر میں بہت فساد ہوا۔

میرا بڑا لڑکا ممتاز احمد اس وقت دو سال کا تھا۔ میں شکر گڑھ ضلع گورداسپور میں پلیگ ڈیوٹی پر متعین تھا اور میرے اہل و عیال امرتسر میں تھے۔ ممتاز احمد کو ٹائیفائیڈ ہو گیا اور ایسا خطرناک کہ 105 درجہ کا بخار بلکہ اس سے بھی زیادہ بخار شب و روز رہنے لگا اور ٹائیفائیڈ فیور کی کل علامات پوری طرح واضح ہو گئیں اور امرتسر کے قابل ڈاکٹروں نے بالاتفاق اپنی تشخیص مکمل کر کے کہہ دیا کہ ٹائیفائیڈ فیور بہت سخت قسم کا ہے اگر زندگی ہے تو تین چار ہفتہ سے کم میں نہیں اترنے لگا۔ میں ایک ہفتہ کی رخصت لے کر آیا تھا۔ بچہ شب و روز دماغی بے ہوشی کی وجہ سے میت کی طرح پڑا رہتا تھا اور کوئی صورت بچنے کی نہ تھی۔ بخار کو گیارھواں دن تھا۔ میری رخصت ختم تھی نبض بے قاعدہ ہو چکی تھی۔ بخار کی تیزی اور بے ہوشی کا وہی عالم تھا۔ میری بے قراری کی کوئی انتہاء نہ رہی۔ میں نے واپس اپنی ڈیوٹی پر جانے سے انکار کر دیا۔ میرے بزرگوں نے سمجھایا کہ ایسی حماقت نہ کرو۔ جو کچھ مقدر میں لکھا ہے وہ تو ہو کر رہے گا۔ تم اپنی ملازمت خراب نہ کرو۔ اتفاق سے ان دنوں حضرت مرزا صاحب کی کتاب ''برکات الدعا'' ہمارے ہاں آئی ہوئی تھی۔ میری بیوی نے بھی پڑھی تھی۔ وہ مجھے کہنے لگیں کہ تم گورداسپور ہو کر ہی شکر گڑھ جاؤ گے رستے میں بٹالہ ہے اگر قادیان جا کر حضرت مرزا صاحب سے دعا کراؤ تو کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ فضل کر دے۔ انہوں نے اپنی کتاب ''برکات الدعا'' میں تو بڑے زور سے لکھا ہے:

اے کہ گوئی گر دعا ہا را اثر بودے کجاست

سوئے من بشتاب بنمایم ترا چوں آفتاب

اپنی بیوی کی زبان سے یہ الفاظ سن کر میں فوراً تیار ہو گیا۔ ایک احمدی دوست کو میں نے بلا کر کہا کہ میرے ساتھ قادیان چلیں کیونکہ میں قادیان سے ناواقف

تھا۔ رات کے دس بجے امرتسر سے گاڑی چلی۔ سڑک نہایت خراب دھکے کھاتے، گرتے پڑتے، اچھلتے رات کے 2 بجے قادیان پہنچے۔ رات سخت اندھیری تھی کچھ نظر نہ آتا تھا۔ قادیان میں لالٹینوں کا کہیں نام ونشان نہ تھا۔ سردی کا موسم، گھروں کے دروازے بند، آدمی نہ آدمزاد، میرے دل میں خیال گذرا کہ خدا جانے اس وقت مرزا صاحب خود کیا کررہے ہوں گے۔ مزے سے سو رہے ہوں گے یا شاید نماز تہجد پڑھ رہے ہوں۔ بہرحال دل میں تمنا ہوئی کہ دیکھوں کہ اس وقت کیا کررہے ہیں۔ میرا احمدی رفیق آگے اور میں پیچھے۔ اندھیرے میں کچھ پتہ نہ لگتا تھا کہ ناگاہ حضرت مرزا صاحب کے مکان کے ایک دروازہ پر میرے رفیق کا ہاتھ پڑا اور اس زور سے پڑا کہ جھٹکے سے کھل گیا۔ حضرت مرزا صاحب نماز تہجد پڑھ رہے تھے اسی وقت آپ نے سلام پھیر ادریافت کرنے پر فرمایا کہ اوپر مسجد مبارک میں چلے جایئے۔ ہم دونوں وہاں چلے گئے۔ دیکھا تو ساری مسجد میں لوگ نماز تہجد بڑے خشوع وخضوع سے پڑھ رہے تھے البتہ اس کمرے میں خواجہ کمال الدین مرحوم ایک چارپائی پر سوئے ہوئے تھے۔ میرے پہنچتے ہی خواجہ صاحب اٹھ کھڑے ہوئے فرمانے لگے کہ آپ اس چارپائی پر سوئیں۔ میں نے ان کی تکلیف کے خیال سے انکار کردیا۔ کہنے لگے نہیں میں اب نماز پڑھوں گا غرض کہ میں اس چارپائی پر لیٹ گیا اور خواجہ صاحب وضو کرکے نماز میں مشغول ہو گئے مگر مجھے اس چارپائی پر لیٹنے سے نہایت شرم آئی کیونکہ لوگ اس قدر رقت اور خشوع سے عبادت کررہے تھے کہ میں دل میں ندامت سے کٹا جارہا تھا مگر تھکا ہوا تھا کہ اس لئے آنکھ لگ گئی۔ صبح 4 بجے اذان ہوئی ایک شخص نے مجھے اٹھایا اور وضو کے لئے پانی دیا۔ میں وضو کرکے سنتیں پڑھ کر بیٹھا ہی تھا جو مولوی عبدالکریم مرحوم تشریف لائے انہیں دیکھ کر میرے دل کو بے حد خوشی ہوئی کیونکہ سیالکوٹ کے ہمارے پرانے اہل حدیث کی مسجد کے امام تھے وہ بھی بڑے تپاک سے ملے۔ مجھے کہنے لگے آخر آپ آئے۔ میں نے کہا ہاں خدا ہی لے آیا۔ اس کے بعد میں نے تذکرہ کیا کہ میرا بچہ سخت بیمار ہے اس کے لئے دعا فرمائیں۔ فرمانے لگے کہ آپ ابراہیم علیہ السلام کی طرح حنیف بنیں۔ آپ کے لئے بھی آسمان سے آواز یا نار کونی برداً و سلاماً علی ابراھیم کی آجاوے گی۔ اور آپ کی یہ آگ اللہ تعالیٰ ٹھنڈک اور سلامتی سے بدل دے گا۔ میرے دل کو اس فقرہ سے بڑی تسلی ہوئی۔

اتنے میں حضرت مرزا صاحب اندر تشریف لائے مجھے ایسا معلوم ہوا کہ ایک نور کا جھمکڑا سامنے آ کھڑا ہوا۔ مولوی عبدالکریم نے میرا بازو پکڑ کے حضرت کی خدمت میں پیش کیا اور جن الفاظ میں پیش کیا۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان الفاظ کا صحیح مصداق بناوے اور میرا انجام بخیر ہو عرض کی کہ ''حضرت یہ بھی ایک سعید روح ہے جو میں آپ کی خدمت میں پیش کررہا ہوں''۔

حضرت صاحب نے بڑی خندہ پیشانی سے مصافحہ کیا چونکہ لوگوں نے مشہور کیا ہوا تھا کہ مرزا صاحب کو نعوذ باللہ جذام ہوگیا ہے اور ہاتھوں میں خارش رہتی ہے۔ میں نے آپ کے ہاتھوں کو بڑے غور سے دیکھا۔ مجھ سیہ کار کے ہاتھوں میں ان کے نور سے دھلے ہوئے چاندی کے ہاتھ نظر آئے تھے۔ تعارف کے لئے مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم نے تو اس سے زیادہ کچھ نہ کہا جو میں اوپر لکھ چکا ہوں۔ اور میرے خیال میں خدا کے مسیح کے سامنے اس سے بہتر الفاظ تعارف کے لئے ہو بھی کیا سکتے تھے میں نے خود ہی باقی باتیں اپنی متعلق عرض کیں۔ اس کے بعد نماز باجماعت شروع ہوئی۔ میں حضرت صاحب کے برابر شانہ بہ شانہ کھڑا تھا اور مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم امام تھے۔ ان کی امامت میرے لئے کچھ نئی نہ تھی۔ سیالکوٹ میں عرصہ تک ہم نے ان کے پیچھے نمازیں پڑھی تھیں۔ لیکن ان کی قرآن خوانی کی جو شان قادیان میں نظر آئی وہ میں نے کبھی محسوس نہ کی تھی۔ اس کمال کی خوش الحانی اور اعلیٰ درجہ کی تاثیر ان کی زبان میں پیدا ہوگئی تھی کہ میں قرآن سنتا تھا اور تڑپتا تھا اور میرا یہ ایمان ہے کہ یہ سب فیض مسیحائی تھا ورنہ مولانا عبد الکریم کا قرآن ہم پہلے مدتوں سے سنتے رہے تھے نہ یہ خوش الحانی تھی نہ یہ اثر تھا۔

نماز کے ختم ہونے کے بعد حضرت مرزا صاحب اندر تشریف لے گئے۔ حضرت صاحب نے تھوڑی دیر بعد ہی ہمیں اندر بلا بھیجا۔ حضرت صاحب ایک کمرے میں جس میں بچے سوئے ہوئے تھے ایک ننگی چارپائی پر بیٹھے ہوئے تھے جس پر کوئی بستر نہ تھا۔ مجھے دیکھ کر پائینتی کی طرف کھسک گئے اور مجھے سرہانے کی طرف بٹھانے لگے۔ میں نے پاس ادب سے انکار کیا مگر آپ نے مجھے ہاتھ پکڑ کر سرہانے کی طرف بٹھادیا اور خود چارپائی کی ادوان پر بیٹھے اور ہمارے درمیان میں ہمارے رفیق بیٹھ گئے۔ میں نے عرض کی کوئی ایسا وظیفہ بتایئے جس سے دل صاف ہو۔ فرمایا:

''یہی نمازیں سنوار سنوار کر اور سمجھ سمجھ کر پڑھا کرو''

میرے دل پر اس کا خاص اثر ہوا۔ وجہ یہ کہ وظیفے میں بہت کر چکا تھا جس کا نتیجہ میں نے اچھا نہ پایا تھا۔ سوائے اس کے کہ دل کمزور ہو گیا۔ اور قوتِ مقابلہ ضعیف ہوگئی اور دوسرے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو طریقہ تزکیہ قلب کا اپنے اصحابہؓ کے لئے اختیار کیا تھا وہ یہی نماز تھی۔ اس لئے صفائی قلب کے لئے مسنون طریق یہی نماز تھی۔ صفائی قلب پر حضرت نے مزید تقریر فرمائی۔ تقریر کیا تھی ایک روحانی طبیب مرض کی تشخیص کر کے علاج کر رہا تھا۔ پھر حضرت صاحب نے یہ فقرہ فرمایا کہ انسان کو اگلے جہان کی طرف چلنے کے لئے یوں تیار رہنا چاہیے جس طرح ایک دور افتادہ مسافر اپنے وطن کو جانے کیلئے بخوشی آمادہ رہتا ہے تو اتنا اثر میرے قلب پر ہوا کہ یہ دنیا ہیچ نظر آنے لگی۔ تقریر کا خاتمہ وفاتِ مسیح پر تھا۔ حضرت کی خصوصیت تھی۔ حضرت کو حیات مسیح کے عقیدہ کو مٹانے میں اس قدر شغف تھا کہ کوئی تقریر ہو ہر پھر کر اس موضوع پر اکثر آ جاتی تھی۔ میں ایسا مدہوش بیٹھا تھا کہ نہ لڑکے کی بیماری یاد رہی تھی نہ دنیا کا کوئی کام ذہن میں باقی رہ گیا تھا۔ اور یہ حالت میری بعد میں بھی ہمیشہ رہی۔ یعنی بیعت کرنے کے بعد بھی حضرت صاحب کی خدمت میں جب حاضر ہوا دنیا بھول جاتی تھی۔ دنیا کے کسی کام کے متعلق دعا کی درخواست کرتے شرم آتی تھی۔ اپنے عزیزوں کی بیماری تک کے لئے دعا کراتے ہوئے حیا آجاتی تھی۔ خیال ہوتا تھا کہ اتنا بڑا عظیم الشان انسان اور اس سے دنیا کے کاموں کے لئے دعا کرانا بڑی ناقدر شناسی ہے۔ بہرحال حضرت نے جب آخری فقرہ یہ فرمایا کہ آپ کو جو کچھ اعتراضات یا شبہات ہوں اس کے دفعیہ کے لئے ہمیں خط لکھتے رہیں یا خود یہاں آکر تشفی کرا سکتے ہیں تو مجھے زندگی کی ناپائیداری سامنے نظر آنے لگی اور یہ سمجھ آیا کہ اتنی عمر تو تحقیقات میں ہی گذری اور فیض احمدی سے محروم رہی۔ عمر کا کیا اعتبار ہے کہیں ایسا نہ ہو موت آجائے اور جاہلیت کی موت پر ہی خاتمہ ہو۔ میں نے عرض کی حضرت میری بیعت لے لیں۔ میں کب تک اس طرح بھٹکتا پھروں گا۔ آپ نے میری بیعت لی۔ دعا کی۔

جب رخصت ہونے لگا تو لڑکے کی بیماری کے متعلق عرض کیا کہ بچہ بہت بیمار ہے حضرت خاص توجہ سے دعا فرمادیں۔ آپ نے اسی وقت دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور دیر تک دعا فرماتے رہے۔ دعا کے بعد مجھے رخصت ہونے کے لئے اجازت دی وہاں سے نکل کر میں حضرت مولانا نور الدین مرحوم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اُن سے پرانا وہابیت کے وقت کا دلی تعلق تھا۔ انہوں نے بھی دعا پر مختصر تقریر کی۔ وہاں سے رخصت ہو کر سیدھا گورداسپور پہنچا۔ اسٹیشن پر میرا آفیسر جو انگریز ڈاکٹر تھا ملا۔ میں نے اسے کہا کہ بچہ بہت بیمار ہے مجھے رخصت چاہیے۔ مجھے کہنے لگا تم بالفعل شکر گڑھ جاؤ۔ میں دو دن کے بعد پٹھانکوٹ سے واپس آ جاؤں گا تم پھر خواہ دس دن کے لئے چلے جانا۔ میں سیدھا شکر گڑھ چلا گیا۔ وہاں تیسرے دن خط آیا کہ بخار اتر گیا ہے اور لڑکا بالکل اچھا ہے۔ میں رخصت لے ہی چکا تھا۔ امرتسر گیا تو معلوم ہوا کہ جس روز صبح میں نے حضرت مرزا صاحب سے دعا کرائی تھی اس روز حالت بہت خراب تھی۔ رات جو آئی تو ایک مایوسی کا عالم تھا۔ 12 دن بخار کو ہو چکے تھے۔ پچھلی شب کو ٹمپریچر لیا گیا تو نارمل تھا۔ خاندان کے بزرگوں کو کہا تو وہ کہنے لگے کہ تھرمامیٹر ٹھیک نہیں لگا لیکن کئی مرتبہ تھرمامیٹر لگانے کے بعد بھی جب ٹمپریچر نارمل ہی نظر آیا تو ڈاکٹر جو معالج تھا اسے خبر کی وہ بہت قابل ڈاکٹر تھا کہنے لگا دیوانے ہوئے ہو کہیں ٹائیفائیڈ فیور بھی جو اس قدر سخت قسم کا ہو بارہ دن میں اترا ہے۔ اور اچانک؟ یہ سب تھرمامیٹر لگانے کی غلطی ہے۔ وہ خود آیا۔ بار بار ٹمپریچر لیا نبض دیکھی حیران رہ گیا۔ کہنے لگا کہ یہ خدا کا خاص فضل ہی ہے۔ میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ میں نے تو ایسا کبھی کہیں نہیں دیکھا اس قدر حالت خراب اور ردی اور یکا یک صحت کا نمودار ہونا یہ تو کوئی اعجازِ مسیحائی ہے کہ مردہ زندہ ہو گیا۔ اور واقعی وہ فضل ربی اور اعجازِ مسیحائی ہی تھا۔ حضرت مرزا صاحب کیا سچ فرماتے ہیں:

ہزار سر زنی و مشکلے نہ گردد حل
چو پیش او بردی کار یک دعا باشد

آخر رفتہ رفتہ خدا نے یہ فضل کیا کہ باوجود سخت مخالفت کے میرا سارا خاندان اور قریباً قریباً تمام اعزا و اقربا احمدی ہو گئے۔ اور یہ محض فضل ربی ہے۔ میں تو حضرت صاحب کی خدمت میں جب بیٹھتا تھا اور اس نورانی چہرہ پر میری نظر جمی ہوتی تھی تو اللہ تعالیٰ کے فضل اور اپنی خوش قسمتی پر اللہ تعالیٰ کے شکر سے میرا قلب لبریز ہو جاتا تھا۔ اللہ اللہ جس شخص کی زیارت کی تمنا بڑے بڑے اولیاء کرتے چلے گئے مجھ گناہگار کو اس کی زیارت اور بیعت نصیب کی۔ یہ کس قدر جناب الٰہی کا احسان ہے۔

☆☆☆☆

اولیاءاللہ کے درجات اور شناخت

از: ملک بشیر اللہ خان راسخ

اس مضمون میں تین باب بیان کئے گئے ہیں:

باب اوّل: ''طبقہ ادنیٰ''

یعنی وہ لوگ ''جن کو بعض سچی خوابیں آتی ہیں یا بعض سچے الہام ہوتے ہیں لیکن ان کو خدا سے کچھ بھی تعلق نہیں اور اس روشنی سے ان کو ایک ذرہ حصہ نہیں ملتا، جو اہل تعلق پاتے ہیں اور نفسانی قالب ان کا تعلق نور سے ہزار ہا کوس دور ہوتا ہے''۔

واضح ہو چونکہ انسان اس مطلب کے لئے پیدا کیا گیا ہے کہ اپنے پیدا کرنے والے کو شناخت کرے۔ اور اس کی ذات اور صفات پر ایمان لانے کے لئے یقین کے درجہ تک پہنچ سکے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے انسانی دماغ کی بناوٹ کچھ ایسی رکھی ہے کہ ایک طرف تو معقولی طور پر ایسی قوتیں اس کو عطا کی گئی ہیں جن کے ذریعہ سے انسان مصنوعات باری تعالیٰ پہ نظر کر کے اور ذرّہ ذرّہ عالم میں جو حکمت کاملہ حضرت باری عزّ اسمہ کے نقوش لطیفہ موجود ہیں اور جو کچھ ترکیب ابلغ اور محکم نظام عالم میں پائی جاتی ہے۔ اس کی تہہ تک پہنچ کر پوری بصیرت سے اس بات کو سمجھ لیتا ہے کہ یہ اتنا بڑا کارخانہ زمین و آسمان کا بغیر صانع کے خود بخود نہیں ہوسکتا۔ بلکہ ضرور ہے کہ اس کا کوئی صانع ہو۔ اور پھر دوسری طرف روحانی حواس اور روحانی قوتیں بھی اس کو عطا کی گئیں ہیں تا وہ قصور اور کمی جو خدا تعالیٰ کی معرفت میں معقولی قوتوں سے رہ جاتی ہیں روحانی قوتیں اس کو پورا کردیں کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ محض معقولی قوتوں کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ کی شناخت کامل طور پر نہیں ہوسکتی۔ وجہ یہ کہ معقولی قوتیں جو انسان کو دی گئی ہیں ان کا تو صرف اس حد تک کام ہے کہ زمین و آسمان کے فرد فرد یا ان کی ترتیب محکم اور ابلغ پر نظر کر کے یہ حکم دیں کہ اس عالم جامع الحقائق کے اوپر حکمت کا کوئی صانع ہونا چاہیے۔ یہ تو ان کا کام نہیں ہے کہ یہ حکم بھی دیں کہ فی الحقیقت وہ صانع بھی موجود ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ بغیر اس کے کہ انسان کی معرفت اس حد تک پہنچ جائے کہ درحقیقت وہ صانع موجود ہے۔ صرف ضرورت صانع کو محسوس کرنا کامل معرفت نہیں کہلاسکتی۔ کیونکہ یہ قول کہ ان مصنوعات کا کوئی صانع ہونا چاہیے۔ اس قول سے ہرگز برابر نہیں ہوسکتا وہ صانع جس کی ضرورت تسلیم کی گئی ہے۔

فی الحقیقت موجود بھی ہے لہذا حق کے طالبوں کو اپنا سلوک تمام کرنے کے لئے اور اس فطرتی تقاضہ کو پورا کرنے کے لئے جو معرفت کاملہ کے لئے ان طبائع میں مرکوز ہے۔ اس بات کی ضرورت ہوئی کہ علاوہ معقولی قوتوں کے روحانی قویٰ بھی ان کو حاصل ہوں (عطا ہوں) تا اگر ان روحانی قوتوں سے پورے طور پر کام لیا جائے اور درمیان میں کوئی حجاب نہ ہو تو وہ اس محبوب حقیقی کا چہرہ ایسے صاف پر دکھلاسکیں جس طور پر صرف عقلی قوتیں اس چہرہ کو دکھلا نہیں سکتیں۔ پس وہ خدا جو کریم و رحیم ہے جیسا کہ اس نے انسانی فطرت کو اپنی کامل معرفت کی بھوک اور پیاس لگادی ہے۔ ایسا ہی اس نے معرفت کاملہ تک پہنچانے کے لئے انسانی فطرت کو دو قسم کے قویٰ عنایت فرمائے ہیں:

(۱): ''معقولی قوتیں'' جن کا منبع دماغ ہے۔

(۲): ''روحانی قوتیں'' جن کا منبع دل ہے۔

اور جن کی صفائی دل کی صفائی پر موقوف ہے۔ اور جن باتوں کو معقولی قوتیں کامل طور پر دریافت نہیں کرسکتیں۔ روحانی قوتیں ان کی حقیقت تک پہنچ جاتی ہیں اور روحانی قوتیں صرف القعالی طاقت اپنے اندر رکھتی ہیں یعنی ایسی صفائی پیدا کرنا کہ مبدفیض کے فیوض ان میں منعکس ہوسکیں۔ سو ان کے لئے یہ

لازمی شرط ہے کہ حصول فیض کے لئے مستعد ہوں اور حجاب اور روک درمیان میں نہ ہوتا۔ خدا تعالیٰ سے معرفت کاملہ پا سکیں۔۔۔۔لیکن چونکہ اکثر انسانی فطرتیں حجاب سے خالی نہیں اور دنیا کی محبت اور دنیا کے لالچ اور تکبر اور نخوت اور عُجب اور ریاکاری اور نفس پرستی اور دوسرے اخلاقی رذائل اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی بجا آوری میں عمداً قصور اور تساہل اور شرائط صدق وثبات اور دقائق محبت اور وفا سے عمداً انحراف اور خدا تعالیٰ سے عمداً قطع تعلق اکثر طبائع میں پایا جاتا ہے اس لئے وہ طبیعتیں بباعث طرح طرح کے حجابوں اور پردوں اور روکوں کے اور نفسانی خواہشوں اور شہوات کے اس لائق نہیں کہ قابل قدر فیضان مکالمہ اور مخاطبہ الٰہیہ کا ان پر نازل ہو۔جس میں قبولیت کے انوار کا کوئی حصہ ہو۔

ہاں عنایت ازلی نے جو انسانی فطرت کو ضائع کرنا نہیں چاہتی۔تخم ریزی کے طور پر اکثر انسانی افراد میں یہ عادت اپنی جاری کر رکھی ہے کہ کبھی کبھی سچی خوابیں یا سچے الہام ہو جاتے ہیں تا وہ معلوم کر سکیں کہ ان کے لئے آگے قدم رکھنے کے لئے ایک راہ کھلی ہے۔لیکن ان کی خوابوں اور الہاموں میں خدا کی قبولیت اور محبت اور فضل کے کچھ آثار نہیں ہوتے۔ اور نہ ایسے لوگ نفسانی نجاستوں سے پاک ہوتے ہیں اور خوابیں محض اس لئے آتی ہیں کہ تا ان پر خدا کے پاک نبیوں پر ایمان لانے کی حجت ہو۔کیونکہ اگر وہ سچی خوابوں اور سچے الہامات کی حقیقت سمجھنے سے قطعاً محروم ہوں اور اس بارے میں کوئی ایسا علم جس کو علم الیقین کہنا چاہیے کہ ان کو حاصل نہ ہو تو خدا تعالیٰ کے سامنے ان کا عذر ہو سکتا ہے کہ وہ نبوت کی حقیقت کو سمجھ نہیں سکتے تھے کیونکہ اس کوچہ سے بکلی ناآشنا تھے اور وہ کہہ سکتے ہیں کہ نبوت کی حقیقت سے ہم محض بے خبر تھے اور اس کے سمجھنے کے لئے ہماری فطرت کو کوئی نمونہ نہیں دیا گیا تھا۔

پس ہم اس مخفی حقیقت کو کیونکر سمجھ سکتے۔ اس لئے سنت اللہ قدیم سے اور جب سے اس دنیا کی بنیاد ڈالی گئی ہے۔اسی طرح پر جاری ہے کہ نمونہ کے طور پر عام لوگوں کو قطع نظر اس سے کہ وہ نیک یا بد ہوں اور صالح یا فاسق ہوں اور مذہب میں سچے ہوں یا جھوٹا مذہب رکھتے ہوں کسی قدر سچی خوابیں دکھلائی جاتی ہیں یا سچے الہام بھی دیئے جاتے ہیں تا ان کا قیاس اور گمان جو محض نقل اور سماع سے حاصل ہے علم الیقین تک پہنچ جائے اور تا روحانی ترقی کے لئے ان کے ہاتھ میں کوئی نمونہ ہو اور حکیم مطلق نے اس مدعا کے پورا کرنے کے لئے انسانی دماغ کی بناوٹ ہی ایسی رکھی ہے اور ایسے روحانی قویٰ اس کو دیئے ہیں کہ وہ بعض سچی خوابیں دیکھ سکتا ہے اور بعض سچے الہام پا سکتا ہے۔مگر وہ سچے خواب اور سچے الہام کسی بزرگی پر دلالت نہیں کرتے بلکہ وہ محض نمونہ کے طور پر ترقی کے لئے ایک راہیں ہوتی ہیں۔

درجہ اوّل آپ نے کشف، الہام، رویا صالحہ، کشوف، سچی خوابوں سے متعلق متعلقہ فرد کے بارے جان لیا ہوگا۔ الفاظ بہت مشکل ہیں غور سے پڑھیں اور بخدا تمام تحریرات کو دل ودماغ میں نقش کر لیں۔

باب دوم

کشف، الہام، رویا صالحہ، کشوف، مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ۔

اس میں درمیانی طبقہ کا ذکر کیا گیا ہے۔یعنی وہ لوگ جن کو سچی خوابیں آتی ہیں یا سچے الہام ہوتے ہیں اور ان کو خدا تعالیٰ سے کچھ تعلق بھی ہے لیکن کچھ بڑا تعلق نہیں۔اور نفسانی قلب (قالب) ان کا شعلہ نور سے جل کر نیست ونابود نہیں ہوتا اگرچہ کسی قدر ان کے نزدیک آ جاتا ہے۔سمجھیں دنیا میں بعض ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں کہ وہ کسی حد تک ''زہد اور عفت'' کو اختیار کرتے ہیں اور علاوہ اس بات کے کہ ان میں رویا اور کشف کے حصول کے لئے ایک فطرتی استعداد ہوتی ہے۔اور دماغی بناوٹ اس قسم کی واقع ہوتی ہے کہ خواب اور کشف کا کسی قدر نمونہ ان پر ظاہر ہو جاتا ہے۔وہ اپنی اصلاح نفس کے لئے بھی کسی قدر کوشش کرتے ہیں اور ایک سطحی نیکی اور راستبازی ان میں پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کی آمد سے ایک محدود دائرہ تک رویا صادقہ اور کشوف صحیحہ کے انوار ان میں پیدا ہو جاتے ہیں مگر تاریکی سے خالی نہیں ہوتے۔ بلکہ ان کی بعض دعائیں بھی منظور ہو جاتی ہیں مگر عظیم الشان کاموں میں نہیں کیونکہ ان کی راستبازی کامل نہیں ہوتی بلکہ اس شفاف پانی کی طرح ہوتی ہے جو اوپر سے تو شفاف نظر آتا ہو

مگر نیچے اس کے گوبر اور گند ہو۔ اور چونکہ ان کا تزکیہ نفس پورا نہیں ہوتا اور ان کے صدق وصفا میں بہت کچھ نقصان ہوتا ہے''اسی لئے کسی ابتلاء کے وقت ٹھوکر کھا جاتے ہیں''۔

اور خدا تعالیٰ کا رحم ان کے شامل حال ہو جائے اور اس کی ستاری ان کا پردہ محفوظ رکھے تب تو بغیر کسی ٹھوکر کے دنیا سے گذر جاتے ہیں۔ اور کوئی ابتلاء پیش آجاوے تو اندیشہ ہوتا ہے کہ بلعم کی طرح ان کا انجام بد نہ ہو اور بلعم بننے کے بعد ''کتے'' سے تشبیہ نہ دیئے جاویں۔ کیونکہ ان کی علمی اور عملی اور ایمانی حالت کے نقصان کی وجہ سے شیطان ان کے دروازہ پر کھڑا رہتا ہے اور کسی ٹھوکر کھانے کے وقت فی الفوران کے گھر داخل ہو جاتا ہے۔

مسیح موعود علیہ السلام کا پیمانہ اپنی زندگی کا اصل روپ اور چہرہ دیکھنے کے لئے تا قیامت تک کافی ہے تا کہ خداوند کریم کی اس آخری جماعت جس کے دعویدار بہت ہیں کہ وہ اس آخری جماعت کے چشم و چراغ ہیں۔ اپنے عمل کو اور خود کو دیکھ کر فیصلہ کریں۔

''سلطان القلم'' کے بیان کردہ ہر موضوع پر مضامین کے ہر حرف میں وہ روشنی ہے کہ نعم البدل کہیں نہیں۔

باب سوم تیسرا درجہ

اعلیٰ طبقہ یعنی وہ لوگ جو خدا تعالیٰ سے اکمل اور اصفیٰ طور پر وحی پاتے ہیں اور کامل طور پر شرف مکالمہ ومخاطبہ ان کو حاصل ہے اور خوابیں بھی ان کو فلق الصبح کی طرح سچی آتی ہیں اور خدا تعالیٰ سے اکمل اور اتم طور پر محبت کا تعلق رکھتے ہیں اور محبت الٰہی کی آگ میں داخل ہو جاتے ہیں اور نفسانی قالب ان کا شعلہ نور سے جل کر بالکل خاک ہو جاتا ہے۔ اس طبقہ کے لوگ مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے والے اس شخص سے تعلق مشابہت رکھتے ہیں جو اوّل دور سے روشنی دیکھے، آگ کی روشنی دیکھے اور پھر اس سے نزدیک ہو جائے۔ یہاں تک کہ اس آگ میں اپنے تئیں داخل کر دے اور تمام جسم جل جائے اور صرف آگ ہی باقی رہ جائے۔ اسی طرح کامل تعلق والا دن بہ دن خدا تعالیٰ کے نزدیک ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ محبت الٰہی کی آگ میں تمام وجود اس کا پڑ جاتا ہے اور شعلہ نور سے قالب نفسانی جل کر خاک ہو جاتا ہے۔ اور اس کی جگہ آگ لے لیتی ہے۔ یہ انتہاء اس مبارک محبت کی ہے۔ اسی طرح جس کو شعلہ محبت الٰہی سر سے پیر تک اپنے اندر لیتا ہے۔ وہ بھی مظہر تجلیات الٰہیہ ہو جاتا ہے مگر نہیں کہہ سکتے کہ وہ خدا ہے۔ بلکہ ایک بندہ ہے جس کو اس آگ نے اپنے اندر لے لیا ہے۔ اور اس آگ کے غلبہ کے بعد ہزاروں علامتیں کامل محبت کی پیدا ہو جاتی ہیں۔ کوئی ایک علامت نہیں ہے تا وہ ایک زیرک اور طالب حق پر مشتبہ ہو سکے بلکہ وہ تعلق صدہا علامتوں کے ساتھ شناخت کیا جاتا ہے۔

مقرب الٰہی اور فنا فی اللہ بندہ

مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: ''غرض وحی الٰہی کے انوار اکمل اور اتم طور پر وہی نفس قبول کرتا ہے جو اکمل اور اتم طور پر تزکیہ حاصل کر لیتا ہے۔ اور صرف الہام اور خواب کا پانا کسی خوبی اور کمال پر دلالت نہیں کرتا جب تک کہ کسی نفس کو بوجہ تزکیہ تام کے یہ انعکاسی حالت نصیب نہ ہو اور محبوب حقیقی کا چہرہ اس کے نفس میں نمودار نہ ہو جائے کیونکہ جس طرح فیض عام حضرت احدیت نے ہر ایک کے بجز شاذونادر لوگوں کے جسمانی صورت میں آنکھ اور ناک اور کان اور قوت شامہ اور دوسری تمام قوتیں عطا فرمائی ہیں اور کسی قوم سے بخل نہیں کیا۔ اسی طرح روحانی طور پر بھی اس نے کسی زمانہ اور کسی قوم کے لوگوں کو روحانی قویٰ کی تخم ریزی سے محروم نہیں رکھا اور جس طرح تم دیکھتے ہو کہ سورج کی روشنی ہر ایک جگہ پر پڑتی ہے اور کوئی لطیف یا کثیف جگہ اس سے باہر نہیں ہے یہی قانون قدرت روحانی آفتاب کی روشنی کی مانند کے متعلق ہے نہ کثیف جگہ اس روشنی سے محروم رہ سکتی ہے اور نہ لطیف جگہ۔ مگر ہاں مصفیٰ اور شفاف دلوں پر وہ نور عاشق ہے۔ جب وہ آفتاب روحانی مصفیٰ چیزوں پر اپنا نور ڈالتا ہے تو اپنا کل نور ان میں ظاہر کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اپنے چہرہ کی تصویر ان میں کھینچ دیتا ہے۔ جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ ایک مصفّا پانی یا مصفّا آئینہ کے مقابل پر جب سورج آتا ہے تو اپنی تمام صورت اس میں ظاہر کر دیتا ہے۔ پھر اس جگہ اک اور

نکتہ قابل یاداشت ہے۔اور وہ یہ کہ تیسری قسم کے لوگ بھی جن کا خدا سے کامل تعلق ہوتا ہے اور کامل اور مصفا کلام پاتے۔قبول فیوض الہیہ میں برابر نہیں ہوتے اور ان سب کا دائرہ استعداد فطرت باہم برابر نہیں ہوتا بلکہ کسی کا دائرہ استعداد فطرت کم درجہ پر وسعت رکھتا ہے اور کسی کا زیادہ وسیع ہوتا ہے۔اور کسی کا اس قدر جو خیال وگمان اور کسی کا خدا تعالیٰ سے رابطہ محبت قوی ہوتا ہے اور کسی کا اقوی اور کسی کا اس قدر کہ دنیا اس کو شناخت نہیں کر سکتی اور کوئی عقل اس کے انتہاء تک نہیں پہنچ سکتی۔مزید مسیح موعود علیہ السلام تیسرے طبقہ کے لوگوں کی نسبت فرماتے ہیں:

اور یاد ہے کہ جیسا کہ تیسری قسم کے لوگوں کی خوابیں نہایت صاف ہوتی ہیں اور پیش گوئیاں ان کی تمام دنیا سے بڑھ کر صحیح نکلتی ہیں اور نیز وہ عظیم الشان امور کے متعلق ہوتی ہیں اور اس قدر ان کی کثرت ہوتی ہے کہ گویا سمندر ہے۔ایسا ہی ان کے حقائق بھی اور معارف بھی کیفیت اور کمیت میں تمام بنی نوع سے بڑھ کر ہوتے ہیں اور خدا کے کلام کے متعلق وہ معارف صحیحہ ان کو سوجھتے ہیں جو دوسروں کو نہیں سوجھ سکتے کیونکہ وہ روح القدس سے مدد پاتے ہیں اور جس طرح ان کو ایک زندہ دل دیا جاتا ہے اس طرح ان کو زبان عطا کی جاتی ہے اور ان کے معارف حال کے چشمہ سے نکلتے ہیں۔نہ محض قال کے گندہ کیچڑ سے۔اور انسانی فطرت کی تمام عمدہ شاخیں ان میں پائی جاتی ہیں اور اسی کے مقابل پر تمام قسم کی نصرت بھی ان کو عطا ہوتی ہے۔ان کے سینے کھولے جاتے ہیں۔اور ان کو خدا کی راہ میں ایک غیر معمولی شجاعت بخشی جاتی ہے۔وہ خدا کے لئے موت سے نہیں ڈرتے اور آگ میں جل جانے سے خوف نہیں کرتے ان کے دودھ سے اک دنیا سیراب ہوتی ہے اور کمزور دل قوت پکڑتے ہیں اور خدا کی رضا جوئی کے لئے ان کے دل قربان ہوتے ہیں اور وہ اسی کے ہو جاتے ہیں۔اسی لئے خدا ان کا ہو جاتا ہے۔اور جب وہ سارے دل سے خدا کی طرف جھکتے ہیں تو خدا اسی طرح ان کی طرف جھکتا ہے کہ ہر ایک کو پتہ لگ جاتا ہے کہ خدا ہر میدان میں ان کی پاسداری کرتا ہے۔اس طبقہ میں مسیح موعود علیہ السلام نے تمام کاملین امت اور محدثین اور اولیاء اکرام کو رکھا ہے۔

مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: ''سوائے وہ لوگو جو اپنے تئیں میری جماعت شمار کرتے ہو آسمان پر تم اس وقت میری جماعت شمار کئے جاؤ گے جب سچ مچ تقویٰ کی راہوں پر قدم مارو گے۔سو اپنی پنج وقتہ نمازوں کو ایسے خوف سے اور حضور سے ادا کرو گویا تم خدا تعالیٰ کو دیکھتے ہو۔یاد رکھو کوئی عمل خدا تک نہیں پہنچ سکتا۔جو تقویٰ سے خالی ہو۔ہر ایک نیکی کی جڑ تقویٰ ہے۔اگر تم چاہتے ہو کہ آسمان پر فرشتے بھی تمہاری تعریف کریں تو تم ماریں کھاؤ اور خوش رہو۔اور گالیاں کھاؤ اور خوش رہو۔اور گالیاں سنو اور خوش رہو اور شکر کرو اور ناکامیاں دیکھو اور پیوندمت توڑو تم خدا کی آخری جماعت ہو۔سو وہ نیک عمل دکھاؤ جو اپنے کمال میں انتہائی درجہ پر ہو۔ہر ایک جو تم میں سست ہو جائے گا وہ ایک گندی چیز کی طرح جماعت سے باہر پھینک دیا جائے گا اور حسرت سے مرے گا اور خدا کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔'' پھر فرماتے ہیں:

''بہت لوگ اس قسم کے ہیں کہ اگر بیعت کے بعد ان کی بیوی مر جائے یا مال میں نقصان ہو جائے یا بچہ مر جاوے تو وہ ٹھوکر کھا جاتے ہیں۔خدا تعالیٰ روز ازل سے جانتا ہے یہ لوگ بیعت میں داخل نہیں۔ہر ایک سمجھ لے کہ جو ایسا چاہتا ہے وہ آج ہی نکل جاوے۔یہ دنیا ختم ہونے والی ہے۔اس کے آگے اِک جہاں اور بھی ہے جو کہ ختم ہونے والا نہیں۔جو شخص دنیا میں ہی ان چیزوں سے جدا ہو جاتا ہے وہ خدا کو پالیتا ہے۔'' یہ بھی مسیح موعود علیہ السلام کا آئینہ ہے۔سب اپنی اپنی صورتیں اس آئینہ میں دیکھ لیں۔

انبیاء کو جس قدر درجات ملے ہیں وہ استقامت سے ہی ملے ہیں۔جس شخص میں استقامت نہیں اس کی ذرہ بھر بھی قیمت نہیں، محض خشک نمازوں اور روزوں سے کیا ہو سکتا ہے۔مسیح موعود علیہ السلام کا فرمان ہے:

''ہماری کتابوں کو خوب پڑھتے رہو تا کہ پوری پوری واقفیت ہو جائے''۔

''اِک عاشق امام کا بیان ہے کہ خدا کی راہ اس کی رضامندی کے لئے جو کچھ خرچ کیا جاتا ہے وہ ضرور بدلہ دیتا ہے۔قارئین کرام لمبے لمبے واعظ و نصیحت میں کیا کروں۔میں مجدد، ملہم، مامور یا شیخ نہیں ہوں جو ہے اس نے کشتی

نوح بنا کر تمہارے آگے رکھ دی ہے وہ جدھر بلانا چاہتا ہے ہے (ادھر جانا تو درکنار ہمارا تو رُخ بھی ابھی اس طرف نہیں ہے) وہ کہتا ہے میں نے بڑے بڑے خاردار جنگل جن میں لوہے کے کانٹے ہیں اور دشوار گذار ہیں اور طے کرنے ہیں۔ نازک پاؤں والے میرے ساتھ نہیں چل سکتے۔ پھر بھی میں نے اسے یہ بھی کہتے ہوئے سنا ہے کہ جس چشمہ پر تمہیں بلانا چاہتا ہوں اس میں سے کسی نے ابھی پانی نہیں پیا''۔

مسیح موعود علیہ السلام کے پیش کردہ آئینے میں کشف، الہام، رویا صالحہ، بشارات اور مکالمہ و مخاطبہ الہیہ کی حقیقت اور درجہ بندی کے تین درجات ہر خواص و عام کے لئے لکھ چکا ہوں۔

چوتھا درجہ

مسیح موعود علیہ السلام نے تینوں طبقات پر مفصل بحث کر کے ایک چوتھا باب باندھا ہے۔ جس کا عنوان ہے کہ:

''خدا تعالیٰ کے فضل و کرم نے مجھے ان اقسام ثلاثہ میں سے کس قسم میں داخل فرمایا ہے۔ جس میں آپ نے یہ بھی بتلایا ہے کہ خدا کے فضل و کرم سے مجھے تیسری قسم یعنی سب سے اعلیٰ قسم میں داخل فرمایا ہے پھر آپ نے یہ بھی بتلایا کہ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم نے مجھے قلب سلیم عطا کیا۔ فرماتے ہیں:

''یعنی ایسا دل کہ حقیقی تعلق اس کا بجز خدائے عز و جل کے کسی چیز کے ساتھ نہ تھا۔ میں کسی زمانہ میں جوان تھا اور اب بوڑھا ہوا مگر میں نے کسی حصہ عمر میں بجز خدائے عز و جل کسی کے ساتھ اپنا حقیقی تعلق نہ پایا۔ فرماتے ہیں: قلب سلیم اور خداوند کریم کی اس نعمت اور انعامات کا پانا ممکن نہ تھا اگر میں اپنے سید و مولیٰ فخر الانبیاء اور خیر الوریٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی نہ کرتا سو میں نے جو کچھ پایا پیروی سے پایا۔

میں سچے اور کامل علم سے جانتا ہوں کہ انسان بجز پیروی اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی راہوں کی پیروی نہ کرتا سو میں نے جو کچھ پایا اس کی پیروی سے پایا اور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے بغیر خدا تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور نہ معرفت کاملہ کا حصہ پا سکتا ہے۔ اور میں اس جگہ یہ بھی بتلاتا ہوں کہ یہ کیا چیز ہے کہ سچی اور کامل پیروی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب باتوں سے پہلے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ سو یاد رہے وہ ''قلب سلیم'' ہے یعنی دل سے دنیا کی محبت نکل جاتی ہے اور دل ایک ابدی اور لازوال لذت کا طالب ہو جاتا ہے۔ اور پھر بعد اس کے ایک مصفیٰ اور کامل محبت الٰہی بباعث اس قلب سلیم کے حاصل ہوتی ہے۔ اور یہ سب نعمتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے بطور وراثت ملتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:

''یعنی ان کو کہہ دے کہ اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو تو آؤ میری پیروی کرو تا خدا بھی تم سے محبت کرے گا''۔

خدا کی طرف سے نازل ہونے والے کلام کے امتیازی نشانات ہیں تا کہ طالب حق اس کو شیطانی کلام سے شناخت کر سکے۔ مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

پس جس پر کوئی کلام نازل ہو جب تک تین علامتیں اس میں نہ پائی جائیں اس کو خدا کا کلام کہنا اپنے تئیں ہلاکت میں ڈالنا ہے

اوّل: وہ کلام قرآن شریف سے مخالف اور معارض نہ ہو۔ مگر یہ علامت بغیر تیسری علامت کے جو ذیل میں لکھی جائیں گی ناقص ہے۔

دوم: وہ کلام ایسے شخص پر نازل ہو جس کا تزکیہ نفس بخوبی ہو چکا ہو اور وہ ان فانیوں کی جماعت میں داخل ہو جو بکلی جذبات نفسانی سے الگ ہو گئے ہیں اور ان کے نفس پر ایک ایسی موت وارد ہو گئی ہے جس کے ذریعہ سے وہ خدا سے قریب اور شیطان سے دور جا پڑے کیونکہ جو شخص جس کے قریب ہے اس کی آواز سنتا ہے۔

سوئم: ملہم صادق ہے جس کلام کو وہ خدا کی طرف منسوب کرتا ہے خدا کے متواتر افعال اس پر گواہی دیں یعنی اس قدر کی تائیدیں اور نشانات ظاہر ہوں کہ عقل سلیم اس بات کو ممتنع سمجھے کہ باوجود اس قدر نشانات کہ پھر بھی وہ خدا کا کلام نہیں۔

☆☆☆☆

یادِ رفتگان

حضرت ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب

1878ء---1939ء

حضرت ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ1878ء میں لکی مروت ضلع بنوں میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم سکاچ مشن ہائی سکول سیالکوٹ میں حاصل کی۔سولہ سال کی عمر میں میٹرک پاس کر کے میڈیکل کالج لاہور سے ایل ایم ایس کا امتحان 1899ء میں پاس کیا۔سکول میں وہ علامہ ڈاکٹر محمد اقبال کے ہم کلاس تھے۔اور آخر دم تک ان کے باہمی مراسم یکساں رہے یہی وجہ ہے کہ جب شاہ صاحب کی وفات سے ایک سال قبل علامہ فوت ہوئے تو انہیں بڑا صدمہ ہوا۔26اپریل 1939ءکو جب آپ تہجد کی نماز پڑھ رہے تھے۔سجدے میں آپ بے ہوش ہو گئے اور اسی شام سوا آٹھ بجے اکسٹھ سال کی عمر پا کر اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔27اپریل1939ءکو آپ کی نماز جنازہ حضرت امیر مرحوم مولانا محمد علیؒ کی اقتداء میں ادا ہوئی اور آپ کے جسد خاکی کو آپ کے خاندانی قبرستان شاہ جمال لاہور میں سپرد خاک کیا گیا۔جنازہ کے ہمراہ ایک جم غفیر تھا جس میں اغیار جماعت،غیر از جماعت حضرات ہندو،مسلمان،عیسائی،سکھ اور انگریز سب شامل تھے۔اس سال کے پیغام صلح میں آپ کے نام و کام اور آپ کی ذات و خدمت کے بارے میں نظم و نثر کے رنگ میں جو کچھ لکھا گیا ہے لائق مطالعہ ہے اور زندگی کی راہوں کو منور کرنے کا ذریعہ ہے۔

حضرت شاہ صاحب کی لاہور میں مستقل ملازمت ہو گئی تھی جہاں سے آپ اور حضرت خواجہ کمال الدین،حضرت ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ اور حضرت شیخ رحمت اللہ باقاعدہ ہر ہفتے دوپہر گاڑی سے بٹالہ اور وہاں سے یکوں پر قادیان جاتے اور اتوار کی رات واپس آجایا کرتے تھے۔ایسے ہی ہر دفتری تعطیل وہ قادیان میں حضرت صاحب کی خدمت میں گذارتے تھے۔

ان دنوں لاہور میں مسلمان ڈاکٹر صرف تین تھے ایک شاہ صاحب، دوسرے حضرت ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ اور تیسرے ڈاکٹر ہدایت اللہ صاحب تھے۔ان لوگوں کی پرائیویٹ پریکٹس سے ان کی آمدنی ہزاروں تک پہنچی ہوئی تھی لیکن اول الذکر دونوں ڈاکٹر اپنا نقصان کر کے ہر ہفتہ کے دو دن ضرور قادیان چلے جاتے تھے۔شاہ صاحب کا معمول تھا کہ جب دوپہر کو کھانے پر آتے اور کپڑے بدلتے تو تمام فیسیں جو کہ کافی رقم ہوتی تھی گن کر ان کے تین حصے کرتے تھے جب تک ان کی والدہ زندہ رہیں ان کو ایک صندوقچی دے رکھی تھی جس میں ایک خاکی اور ایک سیاہ تھیلیاں ہوتی تھیں۔آپ باقاعدہ سے1/3 حصہ رقم خاکی تھیلی میں اور 2/3 سیاہ تھیلی میں ڈلواتے۔حسب ضرورت وہ خاکی تھیلی کی رقم انجمن میں دیتے اور ہر ماہ کے آخر میں باقی جمع شدہ رقم بھی خزانہ انجمن میں بھجوا دیتے۔

دین کے معاملات میں حضرت شاہ صاحب کو ایک قسم کا جنون تھا جس کسی نے کہہ دیا کہ احمدی بھائی ہے تو وہ فی الواقعہ ہی بھائی بن جاتا تھا۔دفتر اور مطب سے جب بھی فرصت ہوتی تبلیغی معاملات اور مذہب پر تبادلہ خیالات ہوتا رہتا تھا۔گھر میں بھی ہر وقت مذہبی گفتگو ہوتی رہتی تھی۔سیر و سیاحت کے لئے بھی جاتے تو کبھی خدا کی یاد کو نہیں بھلایا۔ہر کام جو کیا اس میں خدا کا حصہ ضرور رکھا۔خدا کے لئے خرچ کر کے آپ دلی سکون اور راحت محسوس کرتے تھے۔

حضرت شاہ صاحب انجمن کی ہر ایک تحریک میں ہمیشہ اپنی طاقت سے زیادہ حصہ لیتے تھے۔اور ایسے کاموں میں ان کی بیگم صاحبہ بھی بے دریغ خرچ کرتی تھیں۔حضرت صاحب اپنے آخری سفر لاہور میں ان ہی کے مہمان رہے اور تمام عملہ کا خرچ اور مہمان نوازی بیگم صاحبہ کے ذمہ ہی تھی۔گھر میں ہر وقت کھانا تیار رہتا تھا کیونکہ جماعت کے بزرگ زیارت کے لئے آتے رہتے تھے۔نیز حضرت کا خاندان اور ملازم بھی حضور کے ساتھ تھے۔اس لئے حضرت صاحب اکثر بیگم شاہ

صاحب کو بلا کر نہایت پدرانہ محبت اور شفقت سے پیش آیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ ہماری وجہ سے ہماری بیٹی کو بہت کام کرانا اور کرنا پڑتا ہے۔ بیگم صاحبہ مرحومہ اکثر یہ کہا کرتی تھیں کہ حضرت صاحب میں ایک خاص روحانی نور نظر آتا تھا جو عام انسانوں میں نہیں پایا جاتا۔

شاہ صاحب کا دین کے لئے خرچ کرنا بہت سا ان کی بیگم صاحبہ کی فراخی طبع اور خدا ترسی کی وجہ سے ہوا۔ اور وہ ان کے ہر کارِ خیر میں یقیناً برابر کی حصہ دار تھیں۔ چنانچہ جب برلن مسجد کے لئے چندہ کی اپیل ہوئی تو مرحومہ نے بغیر کسی تردد کے اپنے چالیس تولہ سونے کے کنگن اتار کر پیش کر دیئے۔

حضرت شاہ صاحب نے اپنے دستر خوان کی وسعت اور مہمان نوازی میں کبھی کمی نہ آنے دی اور تمام عمر اپنے خدا کی دی ہوئی کمائی کا 1/3 حصہ بڑی سختی سے علیحدہ خزانہ انجمن میں دیتے رہے اس کے علاوہ ہر طالب علم کی مدد کی، ہر قریبی کو پالا پوسا اور آباد کیا۔ یعنی مکان بنوا دیئے۔ ہر حاجت مند کی حاجت پوری کی۔ اور کبھی کسی سوالی کو مایوس نہ کیا۔ تبلیغ دین کے لئے مال و جان قربان کرنے میں کبھی بخل نہ کیا۔

طبیعت میں انکسار اور قدامت پسندی اور دل درد سے بھرا ہوتا تھا۔ اخلاق اور شرافت کی مثال اور نمونہ تھے حالانکہ ڈاکٹر تھے مگر مریض اپنے خاندان کے جھگڑے ان سے فیصلہ کراتے تھے اور اپنی جوان عورتوں کے معاملات ایک شفیق باپ کی طرح انہیں سناتے اور ہدایت حاصل کرتے تھے۔ پردہ ان دنوں بڑا سخت ہوتا تھا مگر ان کے بلند اخلاق کی وجہ سے لاہور کا کوئی خاندان ان سے اور ڈاکٹر مرزا یعقوب صاحب سے پردہ نہ کرتا تھا۔ یہ دونوں بزرگ لاہور میں مثالی حیثیت رکھتے تھے مکرم تھے، محترم تھے۔ اور تمام لاہور ان کا ادب کرتا تھا۔ باوجودیکہ احمدی تھے۔ لوگوں کی بدزبانی ان کے اخلاق نے بے اثر کر رکھی تھی۔

اکثر شام کا کھانا بعد از نماز مغرب حضرت امیر مرحوم اور دیگر بزرگ مسجد احمدیہ لاہور میں کھایا کرتے تھے۔ رواج یہ تھا کہ کھانا شاہ صاحب کے گھر سے خواجہ صاحب کے گھر سے مرزا صاحب کے گھر سے اور بعد میں حضرت امیر مرحوم کے گھر سے آ جاتا تھا اور تمام حاضرین اور مہمان مل کر کھاتے تھے۔ ہر روز بیس پچیس افراد کا مجمع ہوتا تھا اور مختلف مسائل پر گفتگو اور بحث و مباحثے ہوتے رہتے تھے۔

کھانے کے بعد نماز عشاء ادا کر کے تمام حضرات رخصت ہو جاتے اس برادری محبت اور مروت ہی سے انجمن کا آغاز ہوا اور ان ہی لوگوں کی مالی اور دیگر قربانی سے وہ پروان چڑھی۔

آپ کی فوٹو کے نیچے جو شعر درج ہے وہ حضرت شاہ صاحب مرحوم کے مکان کے ملاقاتی کمرے میں خوبصورت قطعہ کی شکل میں لکھے ہوئے آویزاں تھے جب بھی کوئی حضرت شاہ صاحب مرحوم کی خدمت میں مسلم ٹاؤن حاضر ہونے کا شرف حاصل کرتا تو یہ اشعار بھی نظر سے گذرتے۔ حضرت شاہ صاحب کی زندگی ان اشعار کے بالکل مطابق تھی۔

مری میں شاہ صاحب کے مریض اکثر تپ دق میں مبتلا ہوتے تھے جنہیں جگہ نہ ملتی تھی لوگ کرایہ پر مکان نہ دیتے تھے نیز اکثریت ان کی مسلمان تھی۔ چند بیماروں کو شاہ صاحب نے سینی ٹوریم میں جو کہ شملہ کے قریب تھا بھیجا مگر وہ وہاں سے جلد واپس آ گئے اور کہا کہ وہاں تمام عملہ ہندو ہے اور وہ اتنے متعصب لوگ ہیں کہ مسلمان بیماروں پر کوئی رحم اور توجہ نہیں کرتے، اس پر شاہ صاحب کو خیال آیا کہ مسلمانوں کا ایک اپنا سینی ٹوریم ہونا چاہیے۔

اس وقت خوش قسمتی سے مری کے تحصیلدار بھیرہ کے شیخ عبدالرحیم صاحب تھے جو شاہ صاحب کے بھیرہ کی تعیناتی کے زمانہ سے واقف تھے اور خود بھی ان کے مریض تھے اور شاہ صاحب ان کے معالج تھے۔ شیخ صاحب نے شاہ صاحب کو بتایا کہ ایک ٹکڑہ زمین دوصد کنال ہے۔ یہ زمین ایک ہی مالک کی ہے اور وہ دینے کو تیار ہے چنانچہ زمین رجسٹری کرالی۔

حضرت شاہ صاحب جب تک زندہ رہے انہوں نے اپنی ہر چیز مکان، جائیداد، زمین اور مال و زمین سے انجمن کو حصہ دیا۔ دوسرے الفاظ میں وہ زندہ رہے تو دین کے لئے اور اسی کے لئے زندگی گذاری۔ اور اسی دھن میں وفات پائی۔ یہ سب حضرت بانی سلسلہ کے فیض و برکت کا نتیجہ تھا۔ یقیناً اگر حضرت صاحب نہ آتے تو موجودہ دور میں دین کچھ اور ہوتا اور اگر شاہ صاحب نہ ہوتے اور حضرت مولانا محمد علی صاحب نہ ہوتے تو موجودہ احمدیہ انجمن لاہور بھی نہ بن سکتی۔

روپیہ خدا نے بہت دیا مگر اسے جائز طور پر خوب خرچ کیا۔ فرمایا کرتے تھے

کہ روپیہ کی خواہش نہیں کرنی چاہیے ۔ خداوند تعالیٰ خود انسان کی ضروریات پوری کرتا ہے ۔ انسان کو اپنا کام کرتے چلا جانا چاہیے ۔ روپیہ خدا خود مہیا کرتا ہے جب روپیہ آئے اسے جائز خرچ کرو جمع نہ کرو ۔ اس طرح خدا پر ایمان کمزور ہوتا ہے ۔

وفات سے پہلے ایک عید کے موقع پر جب سب کنبہ جمع تھا سب کو بٹھا کر فرمایا کہ دنیا میں جب کوئی وفات پاتا ہے تو وہ اپنی اولاد کے لئے دولت چھوڑتا ہے ۔ جائیداد چھوڑتا ہے مگر میں تمہارے لئے ایک اور نعمت چھوڑتا ہوں اور وہ ہماری برادری ہے جو کہ حضرت صاحب بنا گئے ہیں ۔

آپ نے فرمایا: آپ کا مشاہدہ ہے کہ جب کبھی بھی میں بیمار پڑا میری اس برادری کے لوگ کہاں کہاں سے میری بیمار پرسی کو آیا کرتے تھے ۔ یہ دینی برادری سب دنیاوی برادریوں سے افضل ہے اور یہ محبت و پیار آپ کو کہیں نہیں ملے گا ۔ اس برادری کو قائم رکھنا ۔ یہ بڑی فائدہ مند چیز ہے چنانچہ اس کا مظاہرہ آپ کی وفات پر ہوا ۔ لاہور کے احباب نے جس خلوص و محبت کا اظہار کیا وہ بیان نہیں ہو سکتا ۔ علاوہ ازیں 27اپریل1939ء کی صبح کو جب آپ کا جنازہ اٹھایا جا رہا تھا تو لائل پور سے حضرت شیخ صاحبان جس حالت سے لاہور آئے تھے وہ نظارہ ابھی تک خاندان کے دلوں پر نقش ہے ۔ ان کی حالت ایسی تھی کہ جیسے ان کا اکلوتا بھائی فوت ہو گیا ہو ۔ یہ تھی برادری جو قبلہ شاہ صاحب اپنے لواحقین کے لئے چھوڑ گئے تھے ۔ اللہ اللہ کیا محبت وانس تھا ۔ گذشتہ سالوں کے عرصہ میں کیا سے کیا ہو گیا ۔ کیا اضطراب تھا ان دلوں میں مولانا محمد علی صاحب، ڈاکٹر بشارت احمد صاحب، مولانا صدرالدین صاحب، ڈاکٹر غلام محمد صاحب، شیخ محمد اسماعیل صاحب، شیخ مولا بخش صاحب، شیخ میاں محمد صاحب کس قدر تقویٰ کے مجاہد تھے مگر وہ اپنے آنسو روک نہ سکتے تھے یہ کیوں تھا؟ کوئی خونی رشتہ نہ تھا مگر ایک دینی جوڑ تھا جو کہ خونی رشتہ سے بھی سبقت لے گیا تھا ۔ ان لوگوں نے دنیا کو ہلا دیا تھا ۔ اور حضرت کا مشن کامیاب بنایا تھا ۔ یہ دین کی پختگی اب کہاں ۔ ؟

شاہ صاحب ایک ڈاکٹر کی حیثیت میں بھی اپنا نمونہ آپ تھے فرمایا کرتے تھے کہ ڈاکٹر کی آمدنی بڑی خطرناک بھی ہو سکتی ہے اور بڑی بابرکت بھی ۔ فرمایا کرتے تھے کہ فیس کے لئے کسی کا علاج نہیں کرنا چاہیے ۔ انسان کی خدمت کے لئے بیماری کا علاج کرنا چاہیے ۔ کسی کو دکھ دے کر فیس لے جائے تو وہ مفید ثابت نہیں ہوتی ۔ وہ تباہی کا موجب ہوتی ہے اگر ڈاکٹر خدا کے خوف کے ساتھ بیماری کا علاج کرے تو یقیناً اس کی آمدنی برکت کا موجب ہو گی اور ایسا کرنے والا ڈاکٹر کبھی خسارہ میں نہیں رہتا وہ ایک غریب کا مفت علاج کرے گا تو خدا تعالیٰ اس کو کئی گنا اجر دے گا ۔ شاہ صاحب نے جس احتیاط سے طبی مشورہ کی فیسیں لیں ۔ اس کا ثبوت ان کی زندگی میں دنیاوی اور دینی کامیابی کی صورت میں ملتا ہے ۔ ان سے اکثر بیمار مفت مشورہ لیتے تھے ۔ یہ ہی نہیں بلکہ بعض کو وہ دوائیاں تک مفت خرید کر دیتے تھے اور بعض بے کسوں کو گھر جا کر دیکھتے اور دوائی اور سواری کا کرایہ خود دے دیتے تھے ۔ اور کئی دفعہ بیمار کے گھر کی حالت دیکھ کر اس کی مالی مدد بھی کر دیا کرتے تھے ۔ کئی بیکسوں اور بیواؤں کا ماہوار وظیفہ مقرر تھا جو کہ ہر ماہ آ کر پنڈت قادر بخش سے مکانوں کے کرایہ میں سے وصول کیا کرتی تھیں جس کا گھر والوں تک کو بھی علم نہ تھا ۔ شاہ صاحب قبلہ انجمن کے علاوہ سیاسی امور میں بھی دلچسپی لیتے تھے ۔ 1919ء کے بعد خلافت کی تحریک سے گو ان کو دلچسپی نہ تھی مگر آزادی ملک کے بڑے حامی تھے اس سلسلہ میں تحریک سودیشی کے خاموش ایڈووکیٹ تھے ۔ آپ نے خود بھی دیسی کپڑا پہنا اور گھر والوں کو بھی رائج کیا ۔ انجمن حمایت اسلام میں بھی توجہ دیتے تھے ۔ وہ خود اور حضرت ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کافی عرصہ تک اس انجمن کی منتظمہ کے ممبر رہے اور کافی عرصہ تک اس کی پالیسی پر کنٹرول رکھا ۔

سیاسی سرگرمیوں کے متعلق حضرت شاہ صاحب ہمیشہ یہی تلقین کرتے تھے ۔ گو اپنا سیاسی نظریہ کچھ بھی ہو مگر ہم نے حضرت صاحب کی بیعت کر رکھی ہے لہٰذا ہمارا کام تبلیغ دین ہے ۔ احمدی انجمن کی ممبری کے علاوہ سیاسی تحریکات میں حصہ نہیں لے سکتے ۔ ہماری ہمدردیاں تحریک آزادی سے ضروری ہیں مگر ہم عملاً اس میں حصہ نہیں لے سکتے ہم جس مقصد کے لئے کھڑے ہوئے ہیں وہی ہمارا مشن رہے گا ۔ تحریک آزادی کے لئے دوسرے مسلمان کام کریں ۔ ہمارا گروہ وہ ہے جس کے لئے قرآن میں بین حکم موجود ہے کہ تبلیغ دین کے لئے

الگ ایک جماعت ہو۔

جب تک احمدیہ بلڈنگس میں رہے وہاں مغرب کی اور صبح کی نماز میں گھر کے ہر بالغ و نابالغ مرد کو شامل ہونا لازم تھا۔ مسلم ٹاؤن منتقل ہونے کے بعد جب تک مسجد نہ بنائی گئی جماعت اپنے مکان پر ہوا کرتی تھی اور تمام مرد و زن شامل ہوا کرتے تھے اور سیر کے وقت کسی نہ کسی بچے کو ساتھ لے لیا کرتے تھے اور تمام راستہ دین کی باتیں ہوتی رہتیں۔ اپنے گاؤں جاتے تو وہاں بھی تبلیغ جاری رکھتے۔ حتیٰ کہ اپنی برادری کے تمام ممبروں سے بیعت کرادی۔

اپنے طور پر جرائم پیشہ سانسی قوم کو اپنے خرچ پر تبلیغ کرتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کچا کھوہ اور کوٹ عادیاں کی تمام جرائم پیشہ آبادی مسلمان ہوگئی۔

شاہ صاحب مرحوم کی زندگی ایک دولت مند فقیر کی زندگی تھی۔ دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا جو عہد انہوں نے حضرت صاحب کے ہاتھ پر کیا تھا اس کو عملاً پورا کر دکھایا۔ او راس مشن کو جو حضرت صاحب لے کر آئے تھے پورا کرنے اور اشاعت دین پر مال خرچ کرنے اور مخلوق خدا کے ساتھ ہمدردی اور شفقت کا برتاؤ کرنے میں انہوں نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ وہ ایک ولی اللہ تھا جو اس دنیا میں رہتے ہوئے خدا کے ساتھ سچی الفت اور دوستی لگائے ہوئے تھا۔ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان مرحوم سابقہ امیر جماعت لاہور حضرت شاہ صاحب کے بارہ میں اپنے تاثرات یوں فرماتے ہیں:

''میں 24-1918ء میں میڈیکل کالج لاہور میں طالب علم تھا۔ اس زمانہ میں احمدیہ بلڈنگز لاہور میں چند عظیم المرتبت ہستیوں کا قیام تھا۔ جن کا پیدا کردہ دینی اور روحانی ماحول اور ان کی ذاتی کشش روزانہ مجھے کشاں کشاں وہاں لے جاتی تھی۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب درس قرآن اور خطبات دیتے تھے۔ بڑے بڑے انسان ان مجالس میں بڑے ادب کے ساتھ بیٹھے نظر آیا کرتے تھے۔ مسجد کی مغربی دیوار کے ساتھ محراب کے قریب بیٹھی ایک خاموش باوقار اور پرشکوہ ہستی پر نظر پڑتی تھی۔ یہ حضرت سید محمد حسین شاہ تھے۔

یہ خاموش رہنے والا انسان جلسہ سالانہ کے موقع پر اکثر تقریر فرماتا تو سامعین کے دل ہل جاتے اور ان کی گردنیں اس کے پر از جلال ارشادات کے آگے جھک جاتی تھیں۔ اس غیر معمولی تاثیر کی وجہ درحقیقت اس کا بے لوث کردار قوت عمل اور بے پناہ ایثار میں ملتی تھی۔

انجمن نے اس زمانہ میں کالجوں کے طلباء کے لئے ایک ہوسٹل کھول رکھا تھا کچھ عرصہ کے لئے حضرت شاہ صاحب مرحوم اس ہوسٹل کے سرپرست مقرر ہوئے تھے وہ شام کو وہاں جا کر درس قرآن دیتے تھے ان کے درس میں بیٹھ کر یہ اندازہ ہوا کہ ان کا مطالعہ کس قدر گہرا اور علم کتنا وسیع ہے۔ اس لحاظ سے بھی وہ حضرت بانی سلسلہ کے ایک نہایت قابل شاگرد ثابت ہوئے تھے۔ قرآن کریم کے ساتھ ان کی محبت کا اندازہ اس ایک واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک دفعہ وہ درد گردہ کی وجہ سے شدید بیمار ہوئے۔ میں ان کی عیادت کے لئے گیا یا مجھے خود انہوں نے طلب فرمایا اور مجھ سے قرآن پڑھنے کو کہا جب میں نے قرآن میں سے کچھ پڑھا تو وہ آبدیدہ ہو گئے اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ انہیں بڑی تسکین حاصل ہو رہی ہے۔

حضرت شاہ صاحب کی وفات حسرت آیات کے موقع پر حضرت امیر مرحوم مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے غم والم کا اظہار کرتے ہوئے جن الفاظ میں مرحوم کو خراج تحسین پیش فرمایا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب کس عظمت و قدر و منزلت کے حامل تھے۔ حضرت امیر مرحوم فرماتے ہیں:

''اپنی وفات کے قریب ہونے کی خبر جب حضرت صاحب کو دی گئی تو آپ نے اپنی جانشینی کا منصب ایک انجمن کو دیا اور اس کے چودہ ممبران کو منتخب کرتے وقت لاہور کے چار ممبروں پر آپ کی نظر پڑی۔ یہ چار ممبر حضرت شیخ رحمت اللہ مرحوم، حضرت خواجہ کمال الدین، حضرت ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ مرحوم اور حضرت شاہ صاحب مرحوم تھے۔ جس کمال خوبی اور اخلاص سے ان چاروں نے حضرت صاحب کی امانت کا حق ادا کیا اس کی طرف اس الہام میں اشارہ معلوم ہوتا ہے۔ ''لاہور میں ہمارے پاک ممبر موجود ہیں'' ان چاروں اصحاب کے دلوں میں اس قدر عشق خدا کے دین کی خدمت کا تھا کہ انجمن کے ہر اجلاس میں لاہور سے دوڑتے آتے تھے اور پھر اس کے ساتھ ہی مالی نصرتوں میں جماعت میں پیش تھے۔ ان دنوں قادیان کا سفر اچھا خاصا صبر آزما تھا اور پھر ان چاروں اصحاب کو اپنے اپنے کاروبار کی مصروفیت بھی بے انتہا تھی مگر خدمت دین کے جذبہ نے ان

دونوں مشکلات کو آسان کر دیا تھا مجھے اس انجمن کے سیکرٹری کا منصب تفویض کیا گیا۔ اور اگر ایک طرف ان چاروں بزرگوں کے مشورے میرے لئے قوت کا موجب تھے تو دوسری طرف ان کے خلوص کا گہرا اثر میرے دل پر تھا۔

اس طرح 1906ء کی ابتداء میں اس محبت کی بنیاد پڑی جو پانچ سال میں یہاں تک ترقی کر گئی کہ گویا ہم پانچ قالب و یکجان کا مصداق تھے۔ آج یہ چاروں دوست یکے بعد دیگرے اپنے مولیٰ سے جا ملے اور میں صدق اور اخلاص اور وفاداری کے نمونے اپنی جماعت میں چاروں طرف دیکھتے ہوئے ان دوستوں کے جدا ہونے کے بعد تنہائی محسوس کرتا ہوں۔

ان چاروں دوستوں نے جو نمونہ وفاداری اور خدمت دین میں استقلال اور اخلاص کا دکھلایا ہے۔ آج اس کی نظیر بہت ہی کم ملتی ہے۔ خدا کے مسیح کی نظر اپنے پیچھے کام چلانے والے چند بزرگوں پر پڑی جن میں یہ چار مولوی نورالدین کے بعد نمایاں ہستیاں نظر آتی ہیں۔ اور عملی طور پر کام کا بوجھ انہی پر تھا۔ انہوں نے حضرت صاحب کی اس امانت کا حق ادا کر دیا کیونکہ خدا کی راہ میں ان کا قدم آگے ہی آگے ترقی کرتا چلا گیا۔ شاہ صاحب مرحوم کی مالی اعانت اپنے زمانے میں تمام احباب سلسلہ پر سبقت لے گئی اور غالباً ایک لاکھ روپے کے قریب انہوں نے خدمتِ اسلام کے کام پر خرچ کیا۔ خواجہ صاحب مرحوم کو دردِ دین نے بے سروسامانی کی حالت میں انگلستان پہنچایا اور یورپ میں سب سے پہلے اسلامی مشن کی بنیاد ان کے ہاتھوں سے رکھی گئی۔ مرزا صاحب مرحوم اور شاہ صاحب مرحوم نہ صرف احمدیت کی شمع کے پروانے تھے اور اپنا مال اور وقت اس کے لئے وقف کیا ہوا تھا بلکہ اسلام کی تمام قومی اور مذہبی تحریکوں میں پیش پیش رہتے تھے۔

اجماعت میں شمولیت کے بارے میں حضرت شاہ صاحب مرحوم فرماتے ہیں:

''1893ء میں حضرت مرزا صاحب سیالکوٹ تشریف لے گئے۔ میں اس زمانہ میں وہاں انٹرنس میں تعلیم پاتا تھا۔ حضرت مرزا صاحب نے وہاں ایک وعظ فرمایا جس میں مختلف مذاہب کے طریق عبادت کا مقابلہ کرتے ہوئے دینی طریق عبادت کی فضیلت کو نہایت مدلل اور دلنشین طریق پر ثابت کیا۔ اس سے قبل میں نے ایسا اچھا اور مدلل اور دین کی خوبیوں کو ظاہر کرنے والا وعظ کبھی نہ سنا تھا اس کے سنتے ہی مجھے حضرت صاحب سے محبت ہوگئی۔ اس زمانہ میں مخالفت کا خوب زور تھا جہاں کہیں آپ کے خلاف کوئی شخص کچھ کہتا میں اس کا ایک احمدی کی طرح مقابلہ کرتا۔ سیالکوٹ میں تعلیم سے فارغ ہو کر میں میڈیکل کالج لاہور میں داخل ہوگیا۔ یہ زمانہ بھی اسی طرح گذر گیا۔ یہاں سلسلہ احمدیہ کے بعض اخبارات پڑھنے کا موقع ملتا رہا۔ میں ان اخبارات سے حضرت مرزا صاحب کی تقریریں تلاش کر کے نہایت توجہ اور شوق سے پڑھتا جو نہایت روح پرور اور ایمان کو تازہ کرنے والی ہوتی تھیں۔ اسی اثناء میں 1897ء میں لیکھرام کے قتل کی عظیم الشان پیشگوئی پوری ہوئی اور اس کی لاش پوسٹ مارٹم کے لئے ہمارے میڈیکل کالج میں ہی لائی گئی۔ جس سے حضرت مرزا صاحب کی پیشگوئی کے پورا ہونے کا مجھے یقین ہوگیا اور آپ سے محبت بہت بڑھ گئی۔

1899ء میں میڈکل کالج سے فارغ ہونے کے بعد میں سرکاری ملازمت کے سلسلہ میں بٹالہ تعینات ہوا۔ اس زمانہ میں پہلی مرتبہ قادیان گیا لیکن بعض ایسے حالات پیش آگئے جن کی وجہ سے میں اس وقت شاملِ سلسلہ نہ ہوسکا اور جلدی قادیان سے چلا آیا۔ اس کے بعد میں بمقام بھیرہ تبدیل ہوگیا۔ چونکہ دل میں مذہبی جوش تھا۔ آریوں اور عیسائیوں سے مقابلہ رہتا تھا۔ ان کے جواب میں حضرت مرزا صاحب کے لٹریچر اور علم الکلام کے سوا کسی مولوی یا پیر کی طرف سے کچھ نہ ملا۔ اس ضرورت سے میں نے حضرت مرزا صاحب کی کتابیں مطالعہ کیں۔ براہین احمدیہ اور دوسری کتابیں پڑھنے سے میری تسلی ہوگئی کہ آپ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں اگر کوئی مجدد اس زمانہ میں ہوسکتا ہے تو وہ آپ ہی ہیں اور آپ کے کلام میں غیرت دینی اور محبت رسول اللہ صلعم کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ سب سے بڑی دلیل جس کو کوئی چیز نہ توڑ سکتی تھی وہ یہ کہ اس زمانہ میں جبر کے ذریعہ کسی کے عقیدہ کو تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔ میں نے خود اپنی حالت پر غور کیا کہ اگر تلوار میری گردن پر رکھ کر کوئی کہے کہ تم دین چھوڑ دو تو میں موت قبول کروں گا لیکن عقیدہ میں تبدیلی نہیں کروں گا۔ ہاں اس زمانہ میں دلائل کے ذریعہ خیالات وعقائد کی تبدیلی ممکن ہے۔

بس میری سمجھ میں آگیا کہ خونی مہدی کا عقیدہ اور انتظار لغو ہے اور اس زمانہ میں جس مہدی کے آنے کی پیشگوئی ہے وہ ایسا ہی ہونا چاہیے جیسے کہ حضرت مرزا صاحب ہیں جو دلائل کے ذریعہ مخالفین اسلام کے اعتراضات کو دور کرے او راسلام کی عظمت اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت قائم کرے اس لئے میں نے 1902ء میں حضرت اقدس کی بیعت کر لی۔

نفسِ مطمئنہ "بیادِ والدہ مرحومہ"

از: آفتاب احمد صاحب (احمدیہ بلڈنگ، لاہور)

"اے اطمینان پانے والی جان! اپنے رب کی طرف لوٹ آ"

میری والدہ جو قرآن پاک کی اس آیت کی مصداق تھیں۔ 24 اپریل 2012ء بروز منگل کو 91 سال کی عمر میں ایک مختصر سی علالت کے بعد ایوب میڈیکل ہسپتال ایبٹ آباد میں اپنے مولائے حقیقی کے پاس چلی گئیں۔ میری والدہ اپنے والدین کی سب سے چھوٹی اولاد ہونے کی وجہ سے لاڈلی تھیں۔ 1921ء کوٹاھلی تحصیل و ضلع ایبٹ آباد میں ایک مشہور احمدی گھر میں پیدا ہوئیں۔ باپ نے رسول پاک کی والدہ کے نام مبارک پر آمنہ نام رکھا۔ میرے نانا میر زمان نے اکتوبر 1906ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ پر "دین کو دنیا پر مقدم کرنے" کی بیعت کی۔ میرے نانا کو لوگ احمدی جانتے ہوئے بھی ولی اللہ سمجھتے تھے۔ گھر کا ماحول مکمل اسلامی تھا۔ اس وجہ سے میری والدہ ہمیشہ نماز پنجگانہ کی پابند اور تہجد گذار تھیں۔ نماز انتہائی سکون سے پڑھتیں۔ نماز پر کم از کم آدھ گھنٹہ لگا دیتیں۔ زمیندار گھرانہ تھا گھر کی مکمل ذمہ داری اس کے باوجود صبح شام تلاوت کلام پاک پر تقریباً ایک ایک گھنٹہ لگا دیتیں۔ قرآن پاک کو بہت ٹھہر ٹھہر کر پڑھتیں۔ احمدیت سے انتہاء کی محبت تھی۔ ہمیشہ وصیت کی کہ میرا جنازہ احمدی پڑھیں خواہ ایک ہی احمدی ہو۔

میں دارالسلام سے جب گھر جاتا تو حضرت امیر قوم، عبدالغفور ثاقب صاحب، قاضی عبدالاحد صاحب سب کا احوال دریافت فرماتیں۔ ضلع ہزارہ میں احمدی بہت دور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ احمدیوں کے کسی گاؤں کبھی نہیں گئیں۔ اس کے باوجود سب کو ناموں سے جانتیں۔ سب کا احوال پوچھتیں۔ حضرت امیر مرحوم (سوئم) کے پورے خاندان کا ذکر کرتیں تو محسوس ہوتا کہ جیسے ساری زندگی دیگراں میں گذاری ہے۔ اپنی نماز میں سب احمدی گھرانوں کے لئے دعا کرتیں۔ جب تک صحت مند تھیں میرے ساتھ ہمیشہ سالانہ دعائیہ پر آتیں۔ آخری چند سال دعائیہ آنے پر اداس ہو جاتیں کہ میں نہیں جا سکتی۔ اور دعائیہ میں بیٹھ کر کچھ سن نہیں سکتی۔

میں نے ایک دفعہ اپنی والدہ کا ایک واقعہ **لاخوف علیھم** کا یوسی ایچ ٹیکسلا میں دیکھا۔ جب اپنی آنکھ کے آپریشن کے لئے وہ ہسپتال میں داخل تھیں۔ صبح کے وقت یوسی ایچ کی نرسز تبلیغ کرتی تھیں۔ جب انہوں نے کہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر ہیں کہ وہ خدا کے بیٹے ہیں۔ اور تین میں ایک ہیں۔ تو میری والدہ جن کی دنیاوی تعلیم بالکل نہ تھی۔ بول پڑیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف ایک نبی تھے۔ اپنی نبوت کی زندگی گذار کے وہ باقی نبیوں کی طرح فوت ہوگئے ہیں۔ میں حیران رہ گیا جب وہ نرسز خاموشی سے تبلیغ ختم کر کے چل پڑیں۔ مسلمان عورتیں بھی ہسپتال میں داخل تھیں۔ جن سب کا عقیدہ حیاتِ مسیح کا ہے۔ ان کو یہ حوصلہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی غیرت اور گھر کے احمدی ماحول نے عطا فرمایا تھا۔

ہم سات بہن بھائی تھے۔ آمدنی کا ذریعہ اگر بارش ہو جائے تو فصلیں تھیں مگر ان فصلوں سے گھر چلانا مشکل ہوتا ہے۔ اس لئے گھر میں تقریباً غربت تھی لیکن کبھی کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلایا۔ ہمیشہ دائیاں ہاتھ اوپر ہی رکھا۔ میں نے اپنے گھر آئے ہوئے کسی آدمی کو خالی ہاتھ جاتے ہوئے نہ دیکھا۔ جو بھی کوئی مانگنے کو آتا اپنے گھر کی غربت کو کبھی نہ دیکھا۔ کسی کو گھر سے

مایوس نہ لوٹایا۔

جب ہمارے گھر کی حالت بہتر ہوئی تو پھر غریب گھرانوں کا خود اس طرح خیال رکھا کہ کسی کو محسوس بھی نہ ہونے دیتیں اور مدد کر دیتیں۔اپنے خاندان، برادری میں ہر دلعزیز تھیں۔ملنسار، خوش اخلاق، باوقار، دل اور ہاتھ کی سخی البتہ قومی عصبیت بہت تھی۔

میں جب 1993ء میں دارالسلام آنے لگا تو مجھے نصیحت کی کہ بیٹا ایمانداری اور محنت سے کام کرنا، صلہ اللہ تعالیٰ تمہیں دے گا کہ وہ تمہیں مایوس نہ کرے گا۔تم نیک مقصد سے ایک اچھی جگہ جا رہے ہو کسی کام میں عار نہ سمجھنا۔میں ان کی اس نصیحت کی وجہ سے دارالسلام میں ہر قسم کا کام جو دوسروں کی نظر میں ہلکا ہوتا ہے کر لیتا ہوں۔اور اس کام کو کسرِ شان نہیں سمجھتا۔

اپنی آخری بیماری میں پاس بیٹھی بیٹی اور پوتوں سے کہا کہ اب میرا آخری وقت ہے۔قرآن پاک سے جو کچھ یاد ہے پڑھو۔خود بھی پڑھنے لگ گئیں۔24اپریل رات دس بجے اپنے رفیق اعلیٰ سے ملاقات کے لئے ہم سے رخصت ہو گئیں۔ایک بہترین مسلمان کی زندگی گذاری اور ایک بہترین مسلمان کی طرح اس دنیا کو چھوڑا۔میں ہمیشہ اپنے اور اپنی اولاد کے لئے ان کے نقش قدم پر چلنے کی دعا مانگتا ہوں کہ وہ خود کوشش کرتی تھیں۔ہم لوگ بہترین مسلمان اور احمدی بنیں کہ ان کے نزدیک بھی احمدیت عین اسلام ہی ہے۔میرے لئے میری ماں اب بھی زندہ ہے کہ ان کی تربیت زندہ ہے۔

☆☆☆☆

شبان الاحمدیہ مرکزیہ
''فلڈ لائٹ کرکٹ ٹورنامنٹ''

16مارچ2013ء: شبان الاحمدیہ مرکزیہ کے زیر اہتمام **''شبان الاحمدیہ فلڈ لائٹ کرکٹ ٹورنامنٹ''** بروز ہفتہ بعد از نماز مغرب انعقاد کیا گیا۔اس ٹورنامنٹ میں چار ٹیمیں بنائی گئیں جن کے کیپٹن ہارون جاوید، عمر جاوید، طیب آفتاب اور عبداللہ فیاض تھے۔

ٹورنامنٹ کا افتتاح بریگیڈئر (ر) محمد سعید صاحب نے کیا۔چاروں ٹیموں کے درمیان تین تین میچ کروائے گئے۔باقی ٹیموں کو شکست دیتے ہوئے فائنل میچ میں عمر جاوید اور ہارون جاوید کی ٹیم پہنچی اور عمر جاوید کی ٹیم نے ہارون جاوید کی ٹیم کو شکست دے کر فتح پائی۔

مہمان خصوصی محترم عامر عزیز صاحب (جنرل سیکرٹری) نے جیتنے والی ٹیموں کو ٹرافیاں دیں۔

اس ٹورنامنٹ میں احباب و خواتین جماعت کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔حاضرین کی تواضع **''مشروبات''** سے کی گئی۔

دورہ جات جماعت ''پشاور، شیخ محمدی، سفید ڈھیری''

شبان الاحمدیہ مرکزیہ کے وفد نے مورخہ 28مارچ2013ء **''شیخ محمدی اور سفید ڈھیری جماعت''** کا دورہ کیا۔جہاں جماعت کے نوجوانوں اور بچوں سے ملاقات کی گئی۔اس کے بعد **''پشاور جماعت''** کا دورہ کیا جہاں قاری ارشد محمود صاحب نے جمعہ کی نماز پڑھائی۔نماز کے اختتام پر نوجوانوں اور بچوں کو اکٹھا کیا گیا اور ان سے پوری معلومات حاصل کی گئیں اور تربیتی کورس میں بھرپور شمولیت کی دعوت دی گئی۔

سیکرٹری، شبان الاحمدیہ مرکزیہ

ایمان بالغیب اور مشاہدہ

از: قاری غلام رسول صاحب

سورۃ البقرہ کی ابتدائی آیات کا ترجمہ ہے:

''میں اللہ کامل علم رکھنے والا ہوں یہ کتاب اس میں کوئی شک نہیں متقیوں کے لئے ہدایت ہے جو غائب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور اس سے جو ہم نے ان کو دیا خرچ کرتے ہیں اور جو اس پر ایمان لاتے ہیں جو تیری طرف اتارا گیا اور جو تجھ سے پہلے اتارا گیا اور آخرت پر وہ یقین رکھتے ہیں یہی اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی کامیاب ہونے والے ہیں''۔(ترجمہ بیان القرآن آیات 1 تا 5)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کی صفات بیان فرمائی ہیں اور بنیادی عقیدہ ایمان بالغیب بیان کیا ہے۔عقائد کے وہ تمام امور جن کا ادراک حواسِ ظاہری سے نہیں ہوسکتا اور جن کا علم ہمیں اللہ تعالیٰ کے آخری رسول سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ حاصل ہوا ان پر اسی طرح ایمان لانا جس طرح ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ایمان بالغیب کہلاتا ہے۔جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات، رسولوں کی رسالت اور ایمان بالآخرت اور ملائکہ پر ایمان لانا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں النفس و آفاق میں اپنی قدرت کی نشانیاں دکھاتے ہیں اور ایمان بالغیب مشاہدہ میں تبدیل ہوجاتا ہے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام بارگاہِ خداوندی میں دعا کرتے ہیں اے پروردگار مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے؟ فرمایا: کیا تجھے ایمان نہیں؟ کہا کیوں نہیں لیکن اطمینان قلب کے لئے سوال کرتا ہوں اللہ نے فرمایا: چار پرندے لے لو پھر انہیں اپنے ساتھ ہلا لے پھر ان میں سے ایک ایک حصہ ہر ایک پہاڑ پر رکھ دے پھر ان کو بلاؤ تیرے پاس دوڑتے ہوئے آجائیں گے اور جان لے کہ اللہ غالب حکمت والا ہے''(البقرۃ:260)

یہاں یہ سوال نہیں کہ اللہ تعالیٰ مُردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے یا نہیں بلکہ وہ مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مُردوں کو زندہ کرتا ہے۔اس کی کیفیت کا سوال کرتے ہیں۔نطفہ سے انسان بنتا ہے۔بیج سے درخت بنتا ہے مگر ہم کیفیت سے ناواقف ہیں کہ یہ کیونکر ہوجاتا ہے،حضرت ابرہیم علیہ السلام کا سوال صرف کیفیت سے ہے یعنی وہ دلائل چاہتے ہیں، یقین ایمان سے حاصل ہوجاتا ہے مگر اطمینان دلائل چاہتا ہے،اس کیفیت کو سمجھانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک مثال دی ہے، چار جانوروں کو لو اور ان کو ہلا لو پھر چار مختلف سمتوں میں ان کو ایک ایک کر کے رکھ دو پھر بلاؤ اور دیکھو کہ کس طرح تمہاری آواز پر بھاگے چلے آتے ہیں اس مثال سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سمجھ میں آگیا یعنی کیفیت کا پتہ لگ گیا کہ باوجود یکہ ایک پرندہ انسان سے بہت دور رہنے والی اور بھاگنے والی چیز ہے لیکن انسان جب اسے ہلا لے اور اپنے ساتھ مانوس کر لے تو یہاں تک اسے اپنے حکم کے تابع کر سکتا ہے کہ اس کی آواز پر وہ اڑا چلا جاتا ہے۔تو جب انسان اور اس کی ہلائی ہوئی چیزوں میں ایسا شدید تعلق محض ایک عارضی تدبیر سے پیدا ہوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا تصرف جو خالق و مالک ہے کیوں اس سے بڑھ کر نہ ہو؟ وہی خالق اسباب ہے۔اس کے تصرف میں سب چیزیں ہیں اور چونکہ اس مثال سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اصل کیفیت معلوم ہوجاتی ہے۔اس لئے ان کو یہ ضرورت بھی پیش نہیں آتی کہ وہ ایسا کر کے بھی دیکھیں اور نہ قرآن شریف میں ان

کے ایسا کرنے کا ذکر ہے کیونکہ یہ ایک مثال برنگِ دلیل تھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام جانتے تھے کہ ایسا ہوتا رہتا ہے۔

ماہرین زبان کہتے ہیں کہ لفظ انسان اَنَـسَ سے بنتا ہے جس کا معنی ہے اس نے محبت کی۔ گویا اُنس اور محبت کرنا انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ بعض ماہرین کا خیال ہے کہ لفظ انسان نَسِـی سے بنتا ہے یعنی وہ بھول گیا گویا بھولنا انسانی فطرت ہے، کوئی انسان سہو ونسیان سے پاک نہیں بہرحال دونوں باتوں میں اختلاف نہیں کیونکہ جب محبت کامل ہوتی ہے تو محبوب کے علاوہ باقی سب کا نسیان ہو جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ انسان کا محبوب ومقصود ہے۔ غایت درجہ محبت میں غیر اللہ کا نسیان لازمی ہے۔ اس چیز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں بیان فرمایا: ''ترجمہ: ''جس نے اللہ کے لئے محبت کی اور اللہ کے لئے بغض رکھا اور اللہ کے لئے کسی کو کچھ دیا اور اللہ کے لئے روکا اس نے اپنا ایمان کامل کرلیا''۔ (حدیث نبوی)

جب جانوروں اور پرندوں کو مانوس کرلیا جائے تو وہ انسان کے تابع ہو جاتے ہیں چنانچہ آج بھی تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ کتا اور بلی وغیرہ کو گھر سے دور چھوڑ آئیں تو وہ اپنے گھر واپس آجاتے ہیں۔ اسی طرح انسان کو جب خدا بلائے گا تو یہ واپس چلا جائے گا اور جب چاہے گا حساب کتاب کے لئے اس کو زندہ کرکے اپنے حضور کھڑا کرے گا۔

حضرت مجدد صد چہاردہم فرماتے ہیں: ''تقویٰ کس قدر تکلیف کو چاہتا ہے'' اس لئے فرمایا یہ ہدایت ہے ان متقیوں کے لئے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ اس میں ایک تکلف ہے۔ مشاہدہ کے مقابل ایمان بالغیب لانا ایک قسم کے تکلف کو چاہتا ہے۔ سو متقی کے لئے ایک حد تک تکلف ہے کیونکہ جب وہ صالح کا درجہ حاصل کرتا ہے تو پھر غیب اس کے لئے غیب نہیں رہتا۔ کیونکہ صالح کے اندر سے ایک نہر کھلتی ہے جو اس میں سے نکل کر خدا تک پہنچتی ہے۔ وہ خدا اور اس کی محبت کو اپنی آنکھ سے دیکھتا ہے کہ: ''یعنی جو دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا یعنی روحانی نابینا'' اسی سے ظاہر ہے کہ جب تک انسان پوری روشنی اسی جہاں میں نہ حاصل کرلے وہ کبھی خدا کا منہ نہ دیکھے گا۔ سو متقی کا کام یہی ہے کہ وہ ہمیشہ ایسے سُرمے تیار کرتا رہے جس سے اس کا روحانی نزول الماء دور ہو جاوے۔ اب اس سے ظاہر ہے کہ متقی شروع میں اندھا ہوتا ہے۔ مختلف کوششوں اور تزکیہ نفس سے وہ نور حاصل کرتا ہے۔ پس جب سوجاکھا ہوگیا اور صالح بن گیا پھر ایمان بالغیب نہ رہا اور تکلف بھی ختم ہوگیا جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو برائی العین اسی عالم میں بہشت و دوزخ وغیرہ سب کچھ مشاہدہ کرایا گیا جو متقی کو ایک ایمان بالغیب کے رنگ میں ماننا پڑتا ہے۔ وہ تمام آپؐ کے مشاہدہ میں آگیا۔ (ملفوظات جلد اوّل ص28)

مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ اپنی تفسیر بیان القرآن میں لکھتے ہیں: تمام ترقیات کا مدار ایمان بالغیب پر ہے۔ ہر ایک علم میں کچھ باتیں مان کر انسان چلتا ہے۔ نتائج ان کی صحت کی تصدیق کردیتے ہیں۔ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی معرفت پہلے دن حاصل نہیں کرسکتا کیونکہ وہ ذات نہاں درنہاں ہے۔ ہاں اسی الغیب پر ایمان لاکر جب انسان قدم آگے بڑھاتا ہے تو آخر کار وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کامل بھی حاصل کرلیتا ہے۔ بلکہ اس سے ہم کلام بھی ہو جاتا ہے۔ گویا یوں کہنا چاہیے کہ غیب سے شروع کرکے قرآن مشاہدہ تک پہنچا دیتا ہے۔

(جلد اوّل ص10)

وفات حسرت آیات

راولپنڈی

تمام احباب جماعت کو یہ پڑھ کر دُکھ ہوگا کہ صاحبزادہ مظفر احمد صاحب کی والدہ محترمہ اس جہان فانی سے کوچ کر گئیں ہیں۔

''بے شک ہم سب اللہ ہی کے لئے ہیں اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے''

اللہ تعالیٰ ان کے خاندان والوں کو یہ صدمہ برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور مرحومہ کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆

درس قرآن۔۲۵

نصیر احمد فاروقی مرحوم و مغفور

(از: معارف القرآن)

ترجمہ: ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو صبر اور دعا (یا نماز) کے ساتھ مدد مانگو۔ یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مُردہ نہ کہو۔ بلکہ وہ زندہ ہیں مگر تم محسوس نہیں کرتے۔ اور ضرور بالضرور ہم کسی قدر خوف اور بھوک اور مالوں اور جانوں کے نقصان سے تمہارا امتحان کریں گے۔ اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دو۔ وہ جنہیں جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے کہتے ہیں ہم اللہ کے لئے ہی ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ یہی وہ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے مغفرت اور رحمت ہے۔ اور یہی وہ ہیں جو ہدایت پانے والے ہیں۔'' (البقرۃ:۱۵۳تا۱۵۷)

ان آیات میں مصیبتوں اور ان میں صبر کے اہم مضامین کا ذکر ہے اور اس لئے میں نے ضروری سمجھا کہ انہیں اپنے درس میں شامل کرلوں۔ قرآن حکیم نے مصیبتوں کے اہم مضمون پر یہ روشنی ڈالی ہے کہ یہ تین طرح سے انسان پر آتی ہیں۔

(۱): اول یوں کہ جب کوئی نبی آتا تھا اور اب جب کہ نبی نہیں آتے تو مجدد یا مامور آتا ہے تو اس کی یا اس کا ساتھ دینے والوں کی سخت مخالفت ہوتی ہے اور انہیں ہلاک تک کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ الغرض کسی نہ کسی صورت میں حق کو قبول کرنے والوں پر مصیبتوں پر مصیبتیں آتی ہیں۔

(۲): دوئم اللہ تعالیٰ تقدیر کے رنگ میں مصیبتیں بھیجتا ہے جو حالت خوف یا بھوک یا مالوں، جانوں اور انسان کی محنت کے پھلوں کے ضائع ہوجانے کے رنگ میں آتی ہیں۔

(۳): سوئم انسان کی بدعملیوں یا غلطیوں یا غفلت کی وجہ سے مصیبتیں آتی ہیں جیسا کہ آگے قرآن حکیم نے فرمایا ہے: ترجمہ: ''یعنی جو کچھ تمہیں مصیبت پہنچتی ہے تو وہ اس وجہ سے ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کمایا (الشوریٰ ۴۲: ۳۰)۔ (ابھی تو اللہ) بہت کچھ معاف کرتا رہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کی مصیبت کا علاج علاوہ صبر کے توبہ اور استغفار ہے اور اپنی اصلاح ہے۔

ان تینوں قسم کی مصیبتوں میں بعض وقت فرق کرنا مشکل ہوجاتا ہے۔ اس لئے تقویٰ اور احتیاط کا یہی تقاضا ہے کہ جو بھی مصیبت آئے اس میں علاوہ صبر کے توبہ اور استغفار اور اپنی اصلاح کی طرف توجہ ضروری کی جائے کیونکہ اگر مصیبت انسان کے اپنے ہاتھوں کی کمائی نہیں تو بھی اس کے آنے کا ایک بڑا مقصد انسان کی اصلاح اور اس کی اخلاقی اور روحانی تکمیل ہوتا ہے جس طرح کہ آگ میں ڈال کر سونے کو صاف کیا جاتا ہے وہی اثر مصیبتوں کا ہے۔ ایک بے دین انسان مصیبت کو ایک اتفاقی امر یا حادثہ سمجھتا ہے اور اس لئے بے صبری اور بے قراری دکھاتا ہے، شراب یا کسی اور نشہ سے اس مصیبت کو بھولنے کی ناکام کوشش کرتا ہے۔ اور بعض وقت خودکشی تک کرلیتا ہے۔ مگر قرآن حکیم ہمیں بتاتا ہے۔ ترجمہ: ''یعنی کوئی بھی مصیبت ہو وہ نہیں آتی مگر اللہ کے حکم سے، اس کی اجازت سے''۔ (سورۃ التغابن ۶۴: ۱۱) اس لئے مصیبت کو حوصلہ اور صبر سے برداشت کرنا چاہیے اور توبہ اور استغفار اور اپنی اصلاح کی فکر کرنی چاہیے مبادا وہ مصیبت اپنی کوئی شامتِ اعمال ہو۔ مگر مصیبت پڑنے پر مدد کے لئے پکارنا انسانی فطرت ہے۔ اور چونکہ ہر مصیبت اللہ تعالیٰ کے حکم یا اجازت سے آتی ہے اس لئے اس سے مدد مانگنا عین فطرت ہے۔ آیئے دیکھیں کہ وہ مدد کس طرح مانگنی چاہیے۔

مصیبتوں کی پہلی صورت جس کا ذکر میں اوپر کر آیا ہوں وہ وہ ہیں جو خدا کے مامور کو یا حق کو قبول کرنے سے آتی ہیں۔ تو چونکہ حق کو قبول کرنے والے بدقسمتی سے ہمیشہ تھوڑے اور کمزور ہوتے ہیں اور ان کے مخالفین تعداد اور طاقت میں بہت

بڑھ چڑھ کر ہوتے ہیں اور وہ ان کی ایذاء بلکہ ہلاکت پر تلے ہوتے ہیں تو حق کا ساتھ دینے والوں کو مدد مانگنے کی ضرورت بلکہ تڑپ پیدا ہوتی ہے۔ اور ان کا مددگار سوائے اللہ کے کون ہوتا ہے۔ اسی لئے فرمایا (آج کے درس کی پہلی آیت) کہ ہماری مدد ضرور مانگو مگر صبر کے ساتھ یعنی مصائب اور تکالیف میں صبر کرنا بجائے خود اللہ تعالیٰ کی مدد کو لانے والے ہے۔ پھر بھی انسان کی فطرت میں مدد کے لئے پکارنا ہے۔ اس لئے فرمایا کہ دعا یا نماز کے ذریعہ سے اللہ کو پکارو۔ اگر حق پر ایمان لانے والوں کو صبر کی تاکید فرمائی تو اس لئے کہ حق کو قبول کرنے سے جو مصیبتیں آتی ہیں وہ انسان کے زبانی ایمان کو اس کے دل میں لے جا کر میخ کی طرح ٹھوک دیتی ہیں بلکہ انسان کے رگ و ریشہ میں ایمان سرایت ہو جاتا ہے بشرطیکہ انسان مصیبتوں کو جھیل لے مگر اپنے ایمان پر ڈٹا رہے۔ اور اگر ایسے شخص کو نماز یا دعا کے ذریعہ اللہ کو پکارنے کی اجازت دی تو اس لئے کہ نماز اور دعا سے جو انسان اور اللہ تعالیٰ کا رشتہ قائم ہوتا ہے اور مصیبتوں کے لمبا ہونے میں مضبوط ہوتا چلا جاتا ہے وہ مصیبتوں کا سب سے بڑا فائدہ ہے۔ اس لئے کہ حق تو آتا ہی ہے بندوں کو خدا سے ملانے کے لئے۔ پھر خدا کے آگے گرنے سے جو انسان کا دل ہلکا ہوتا ہے اور اسے بالآخر لذت اور سرور دینے لگتا ہے وہ اس دنیا اور آخرت کی سب سے اعلیٰ نعمت ہے۔

تو باوجود صبر اور اللہ کو پکارنے کے اگر مصیبتیں نہ ٹلیں تو یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ انسان کے ساتھ نہیں یا اس کی دعائیں رائیگاں گئیں ۔ اس لئے فرمایا :ترجمہ: ''یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے'' اس لئے دعا کرو مگر اس کے بعد صبر سے کام لو۔ کیونکہ صبر کی صفت تو خود اللہ تعالیٰ کی بڑی بھاری صفت ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات کو حاصل کرنے کا حکم قرآن اور حدیث دونوں میں موجود ہے۔ انسان کی کتنی عزت افزائی ہے کہ اسے خدائی صفات حاصل کرنے کا موقع ملا۔ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کون صبر کرنے والا ہو سکتا ہے۔ اس کی آنکھوں کے آگے اس کی ہستی کا انکار۔ آج دنیا کی بڑی آبادی کر رہی ہو جو کمیونسٹ یا اشترا کی ملکوں میں آباد ہے بلکہ یورپ اور امریکہ میں تو آواز اٹھی اور اسے تمام دنیا میں پھیلایا گیا کہ خدا یا تو نعوذ باللہ تھا ہی نہیں یا تھا تو اب مر گیا ہے۔ جو یہ گستاخی اور بے ادبی نہیں کرتے وہ شرک کر کے ایک اپنے ہاتھوں سے گھڑے ہوئے بت یا ایک جانور یعنی گائے یا ایک خدا کی مخلوق بلکہ مردہ انسان کو خدا بنا کر پوجتے ہیں۔ وہ بھی گستاخی اور بے ادبی ہے۔ پھر خدا کی آنکھوں کے آگے کیا گندے سے گندہ گناہ اور بدکاریاں اور خرابیاں کی جاتی ہیں۔ مگر وہ کس حوصلہ اور صبر سے سہتا ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو دنیا کبھی کی ختم ہو چکی ہوتی اور انسان کو اپنی اصلاح اور نجات کا موقع کبھی نہ ملتا۔ تو صبر تو اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان صفت ہے۔ اور اس کو حاصل کرنے کا موقع مصیبتوں میں صبر کرنے سے ملتا ہے۔

حق کو قبول کرنے والوں میں سے بعض کو قتل تک کر دیا جاتا ہے۔ تو کیا وہ ناکام رہے۔ یا ضائع ہو گئے؟ ہرگز نہیں۔ فرمایا کہ انہیں مردہ مت کہو کیونکہ انہوں نے تو وہ اعلیٰ اور ابدی (یعنی ہمیشہ رہنے والی) زندگی پالی کہ اس سے بہتر زندگی ممکن ہی نہیں۔ وہ تو اس دنیا کے دکھوں بیماریوں، فاقوں، غموں سے نجات پا کر ابدی جنت میں فوراً چلے گئے۔ وہ تو قابلِ رشک لوگ ہیں۔

دوسری قسم مصیبتوں کی وہ ہیں جو بطور تقدیر یا امتحان اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتی ہیں۔ از قسم خوف کی حالتوں کے، یا فاقوں اور تنگی کے، یا مالوں اور جانوں اور انسان کی محنت یا کوششوں کے پھلوں کے ضائع ہو جانے کے۔ ایسی مصیبتوں کے لئے فرمایا کہ وہ بطور ابتلاء کے آتی ہیں۔ ابتلاء کے معنی جب اللہ تعالیٰ فاصل یعنی اسے بھیجنے والا ہو یہ ہیں کہ وہ انسان کی مخفی حالتوں یعنی خوبیوں یا کمزوریوں کو ظاہر کرنے کے لئے آتی ہیں۔ مثلاً اگر انسان پر مصیبت آئے اور وہ اس سے بچنے یا نجات حاصل کرنے کے لئے جھوٹ بول لے یا رشوت کھا لے یا چوری کر لے یا وعدہ خلافی کر لے وغیرہ وغیرہ تو اس طرح یہ کمزوریاں جو اس کے اندر مخفی ہیں اس آزمائش نے آن کر ظاہر کر دیں تا کہ وہ اپنی اصلاح کرے پہلے اس سے کہ موت آ کر اسے اٹھا لے اور آگے جہنم کے سوا اس کا کوئی علاج نہ ہو۔ اس کے برعکس جو ان مصیبتوں پر جو تقدیر کے رنگ میں آتی ہیں صبر کرے تو اس کے کیرکٹر میں ایسی اعلیٰ خوبیاں پیدا ہوتی ہیں جو پہلے نہ تھیں۔ یہ اس کی مخفی خوبیوں کا ظاہر ہونا ہے۔ جس طرح کہ درخت کے اندر وہ پھل اور پھول مخفی ہوتے ہیں جو پھاڑ کر اس کے اندر سے نکالے جاتے ہیں۔ اسی طرح انسان کے کیرکٹر کو جو خوشنما پھل اور پھول لگتے ہیں وہی ہیں جو آگے آخرت میں جا کر اس کی جنت کے خوشنما پھل اور پھول کی شکل اختیار کریں گے۔

اسی لئے فرمایا: ''تقدیری مصیبتوں پر صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے

دو" خوشخبری کیا ہے وہ ذکر ابھی آگے آئے گا۔ اس سے پہلے صابر کی تعریف کی کہ وہ کون ہیں۔ فرمایا وہ لوگ جنہیں جب کوئی تقدیری مصیبت آئے تو وہ کہتے ہیں "ہم تو اللہ کا مال ہیں، وہ چاہے ہم سے معاملہ کرے اور اگر ہمارا کچھ کھویا گیا یا نقصان ہو گیا تو کیا ہوا ہم نے بھی اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے" تو اگر وہ ہم سے راضی ہو تو وہ کھوئی ہوئی چیز یا اس نقصان سے بڑھ چڑھ کر اجر وہ ہم کو اس گھر میں دے گا جو ہمیشہ کا گھر ہے۔ اس دنیا کی ہر چیز تو بہر حال کھوئی جانی ہے جب ہم پر موت آئی۔ مزید برآں فرمایا کہ اسی دنیا میں ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت نصیب ہوتی ہے۔ مغفرت ہے اللہ کی پناہ۔ کن چیزوں سے؟ انسان کے گناہوں، کمزوریوں، غفلتوں کے بُرے نتائج یا سزا سے یا ان کے دوبارہ سرزد ہونے سے کیونکہ انسان جب کوئی گناہ یا کمزوری یا غفلت کرتا ہے تو اس کا اعادہ یعنی دوبارہ ہو جانے کا خطرہ ضرور پیدا ہو جاتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی چوری کرے تو اس کے لئے دوبارہ چوری کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

تو صابر انسان نہ صرف اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آ جاتا ہے بلکہ فرمایا کہ اس پر خدا کی روحانی نعمتیں (رحمۃ) نازل ہوتی ہیں۔ روحانی نعمتیں اصل نعمتیں ہیں۔ کیونکہ دنیاوی نعمتیں تو انسان کی زندگی میں ہی یا مرنے پر ضرور ختم ہو جاتی ہیں۔ روحانی نعمتیں اس کی روح کے ساتھ اگلی ہمیشہ کی زندگی میں جائیں گی۔ اور وہاں جا کر وہ ظاہری نعمتوں کی شکل بھی اختیار کریں گی جیسا کہ میں جنت کے ذکر میں اپنے ایک پچھلے درس میں عرض کر آیا ہوں۔

ایک اور نعمت کا ذکر فرمایا یا صابر کے لئے جو سب سے بڑی ہے۔ "اور وہی ہیں جو ہدایت پائیں گے" سورۃ فاتحہ میں اھد نا الصراط المستقیم کی دعا کی تفسیر میں میں بتا آیا ہوں کہ یہ ہدایت خود اللہ تعالیٰ کو پانے کی ہے جس کو پانا کہ انسان کی زندگی یا پیدائش کا مقصد ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں جو انسان کو مل سکے۔ تو فرمایا کہ ایسے لوگ اس سیدھے راستہ پر ہدایت پائیں گے جو انہیں اس دنیا میں اللہ سے ملا دے گا جیسا کہ نبیوں اور صدیقوں اور اولیاء اللہ کو مل جاتا ہے۔ اور یہ لوگ ہیں جو سب سے زیادہ مصیبتیں اٹھاتے ہیں مگر جنہیں یہاں نہ بھی ملا وہ بہر حال ہیں سیدھے راستہ پر جو بالآخر اس کو ہر مقصود تک پہنچا دے گا۔ اس لئے میرے دوستو مصیبتوں سے نہ گھبراؤ بلکہ ان پر صبر کر کے خدا کو پاؤ۔

اطلاع برائے احباب جماعت

تمام احبابِ جماعت کو مطلع کیا جاتا ہے کہ مرکزی انجمن میں "**معاون افسرِ تصنیفات**" کی ضرورت ہے۔ خواست گار کو مندرجہ ذیل قابلیت کا حامل ہونا چاہیے:

گریجویٹ، انگریزی اور اُردو تحریر اور بول چال کی قابلیت، کمپیوٹر کی نیٹ ورک ماحول میں استعمال میں مہارت، اُردو اور انگریزی کمپوزنگ میں قابل۔ سپریڈشیٹ اور ابتدائی گرافکس سے اچھی واقفیت، پرنٹنگ، کاپی انگ اور سکینگ کے آلات کے استعمال کا تجربہ۔ کمپوز شدہ مواد کو پرنٹنگ مشینوں کے فارمیٹ کے مطابق بنانے کا اچھا علم۔ انٹرنیٹ پر مطلوبہ مواد کی تلاش کا تجربہ اور اس مواد کو ضرورت کے مطابق پیش کرنا۔

احبابِ جماعت میں سے جو امیدوار درج بالا شرائط پوری کرتے ہوں اور وہ اس کے خواشمند ہوں وہ اپنی درخواستیں زیر دستخطی کو اس اشتہار کے شائع ہونے کے پندرہ یوم تک جمع کرواسکتے ہیں۔

جنرل سیکرٹری
احمدیہ انجمن لاہور

شبان الاحمدیہ مرکزیہ، لاہور

بزمِ اطفال

ماں کی دعا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک دفعہ اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ جنت میں میرے ساتھ کون ہوگا؟ ارشاد ہوا فلاں قصاب ۔۔۔ آپ کچھ حیران ہوئے اور اس قصاب کی تلاش میں چل پڑے۔ وہاں دیکھا تو ایک قصاب اپنی دکان میں گوشت بیچنے میں مصروف تھا۔ اپنا کاروبار ختم کر کے اس نے گوشت کا ایک ٹکڑا کپڑے میں لپیٹا اور گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس قصائی کے بارے میں مزید کچھ جاننے کے لیے بطور مہمان گھر چلنے کی اجازت چاہی۔

گھر پہنچ کر قصائی نے گوشت کو پکایا، پھر روٹی پکا کر اس کے ٹکڑے شوربے میں نرم کیے اور دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ جہاں ایک نہایت کمزور بڑھیا چارپائی پر لیٹی ہوئی تھی۔ قصاب نے بمشکل اسے سہارا دے کر اٹھایا اور ایک ایک لقمہ اس کے منہ میں ڈالتا رہا۔ جب اس نے کھانا ختم کیا تو اس قصاب نے بڑھیا کا منہ صاف کیا۔ بڑھیا نے قصائی کے کان میں کچھ کہا جسے سن کر قصائی مسکرایا اور بڑھیا کو واپس لٹا کر باہر آ گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جو یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے، آپ نے قصاب سے پوچھا یہ عورت کون ہے اور اس نے تیرے کان میں کیا کہا جس پر تو مسکرا دیا؟

قصاب بولا اے اجنبی! یہ عورت میری ماں ہے۔ گھر پر آنے کے بعد میں سب سے پہلے اس کے کام کرتا ہوں۔ یہ روز مجھے خوش ہو کر دعا دیتی ہے کہ اللہ تجھے جنت میں موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ رکھے، جس پر میں مسکرا دیتا ہوں کہ بھلا میں کہاں اور موسیٰ کلیم اللہ کہاں۔ (آفتاب احمد، شیخ محمدی)

کوئز برائے اطفال الاحمدیہ

سوال نمبر1: حضرت یعقوب علیہ السلام کے کتنے بیٹے تھے؟

(ا): چودہ (۲): تیرہ (۳): بارہ (۴): گیارہ

سوال نمبر2: حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ کا کیا نام ہے؟

(ا): حضرت حاجرہ (۲): حضرت سارۃ (۳): حضرت مریمؑ

سوال نمبر3: حضرت زکریاؑ کا حضرت مریمؑ کے ساتھ کیا رشتہ تھا؟

(ا): چچا بھتیجی (۲): خالو بھانجی (۳): ماموں بھانجی

سوال نمبر4: جنگ بدر میں صحابہ کرامؓ کی تعداد کتنی تھی؟

(ا):250 (۲): 230 (۳): 313

سوال نمبر5: فتح مکہ میں صحابہ کرامؓ کی تعداد کتنی تھی؟

(ا)5000 (۲)10000 (۳)9000

گذشتہ شمارہ کے درست جوابات دینے والوں کے نام

(ا): مجاہد احمد (لاہور) (۲): احتشام احمد (پشاور) (۳): حماد احمد (پشاور)

جواب ارسال کرنے کا طریقہ

تمام بچے اپنے جوابات اس پتہ پر ارسال کریں: دفتر شبان الاحمدیہ مرکزیہ ۵ عثمان بلاک دارالسلام کالونی نیوگارڈن ٹاؤن لاہور۔

نیز جوابات sms کے ذریعے بھی بھیجے جا سکتے ہیں۔ جس کا طریقہ کار درج ذیل ہے: ☆اپنا نام اور شہر کا نام ☆سوال کا نمبر اور آگے جواب ☆شبان الاحمدیہ مرکزیہ کے نمبر 0313-4433515 پر بھیجیں۔

باہتمام پاکستان پرنٹنگ ورکس کچا رشید روڈ لاہور سے چھپوا کر پبلشر چوہدری ریاض احمد صاحب نے دفتر پیغام صلح، دارالسلام۔ ۵۔ عثمان بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن لاہور سے شائع کیا۔

تنظیم خواتین احمدیہ کا رابطہ دورہ ''وزیرآباد''

تنظیم خواتین احمدیہ کے رابطہ دوروں کے سلسلہ میں 16 فروری 2013ء کو وزیرآباد جماعت کا دورہ کیا گیا۔ بیگم زبیدہ احمد صاحبہ، بیگم صبیحہ سعید صاحبہ، بیگم پروین چوہدری صاحبہ، بیگم بشریٰ علوی صاحبہ کے ساتھ جونیئر گروپ سے سمعیہ غفور صاحبہ بھی اس دورے میں شامل تھیں۔ تمام ممبران 3 گھنٹے کی مسافت کے بعد شیخ نیاز احمد صاحب (جو کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قریبی ساتھی تھے) کے گھر پہنچے جہاں ان کے صاحبزادے شیخ ممتاز احمد صاحب اور ان کی بہو بیگم نگینہ عامر صاحبہ نے ممبران کو خوش آمدید کہا۔

چائے پینے کے بعد تمام ممبران نگینہ عامر صاحبہ کے ہمراہ وزیرآباد کی قدیم اور تاریخی مسجد میں پہنچے۔ قادیان سے باہر کسی بھی شہر میں جماعت احمدیہ کے لئے تعمیر کردہ یہ پہلی مسجد ہے۔ اس کا افتتاح مرزا بشیر الدین محمود صاحب نے کیا کیونکہ مولانا نورالدین رحمتہ اللہ علیہ خرابی صحت کے باعث افتتاح کے لئے تشریف نہ لا سکے تھے۔ یہ مسجد شیخ نیاز احمد مرحوم نے تعمیر کروائی تھی۔

اس مسجد سے ملحق امام مسجد صاحب کا گھر بھی ہے جو بہت پرانا ہونے کے سبب گر چکا تھا۔ مرکزی انجمن لاہور نے ایک خطیر رقم خرچ کر کے اسے دوبارہ تعمیر کروایا ہے۔ نقشہ جات کی منظوری اور اس گھر کی تعمیر کی نگرانی شیخ عامر ممتاز صاحب نے کی ہے۔ نئے تعمیر شدہ گھر میں اس وقت مرکز کی طرف سے بھیجے گئے ہمارے ہونہار نوجوان مبلغ محی الدین اپنی والدہ اور اہل خانہ کے ساتھ رہائش پذیر ہیں۔ تمام ممبران نے مسجد میں شکرانہ کے نوافل ادا کئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مخالفت کے دور میں ہمیں یہ اعزاز بخشا کہ اس تاریخی مسجد میں سجدہ ریز ہو سکیں۔ پھر نماز ظہر باجماعت ادا کی گئی اور نماز کے بعد نگینہ عامر صاحبہ کے ہمراہ ان کے گھر واپس لوٹ آئے۔ ہمارے واپس آنے تک سیالکوٹ جماعت سے تقریباً 20 کے قریب ممبران وزیرآباد تشریف لا چکی تھیں۔ ان ممبران کے علاوہ دو خواتین ایسی بھی مدعو کی گئی تھیں جو غیر از جماعت تھیں۔ ان کو بلانے کا مقصد اپنی جماعت کے عقائد اور خیالات سے آگاہ کرنا تھا۔ دوپہر کے کھانے کے بعد جلسہ کا آغاز کیا گیا۔ تلاوت قرآن پاک کے بعد صدر صاحبہ نے ممبران کا تعارف کروایا۔ جس کے بعد بیگم صبیحہ سعید صاحبہ نے یادِ رفتگان کے سلسلے میں شیخ نیاز احمد مرحوم ہی کے حالاتِ زندگی اپنی بچپن کی یادداشت سے بیان فرمائے۔ جسے سن کر تمام ممبران بہت متاثر ہوئے۔ اس کے بعد لندن سے تشریف لائی گئی بہن بیگم مسرت شیخ صاحبہ نے درثمین سے حضرت صاحب کا منظوم کلام پڑھا۔ درثمین سے کلام کے بعد میں نے (بشریٰ علوی) قرآن کی آیات اور حضرت اقدس کے ملفوظات کی روشنی میں نبی کریمؐ کو خاتم النبین ثابت کرتے ہوئے کہا کہ آپ اپنے جامع کمالات اور جامع تعلیمات کے بعد حقیقی طور پر خاتم النبین ہیں۔ اور آپؐ کے بعد کسی نئے یا پرانے نبی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے بعد بیگم پروین چوہدری صاحبہ نے ''اسلامی معلومات'' کے عنوان کے تحت نہایت مفید معلومات فراہم کیں اور ساتھ ہی واقعہ معراج کو انتہائی پراثر انداز میں بیان کیا۔ سمعیہ غفور صاحبہ نے تمام بہنوں کے جذبے کو سراہتے ہوئے سب کا شکریہ ادا کیا اور ساتھ ہی اس خوشی کا اظہار بھی کیا کہ انہیں اتنے مفید اور معلوماتی دورے کے لئے جونیئر گروپ سے منتخب کیا گیا۔ آخر میں تنظیم کی صدر بیگم زبیدہ احمد صاحبہ نے معلومات سے بھرپور ''دعا اور اس کی فلاسفی'' کے موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ تمام شرکاء نے صدر صاحبہ کی تقریر کو دلچسپی سے سنا اور بہت زیادہ پسند فرمایا۔ صدر صاحبہ کی تقریر کے بعد غیر از جماعت خواتین نے سوالات بھی کئے جن کو مدلّل جوابات سے مطمئن بھی کیا گیا۔ ان خواتین کا یہ بھی کہنا تھا کہ '' آپ کے عقائد وہی ہیں جن پر ہم مسلمان عمل پیرا ہیں ہمیں کوئی فرق نظر نہیں آیا۔ جو معلومات آپ لوگوں کے متعلق ہمیں حاصل تھیں وہ بالکل غلط ہیں۔''

آخر میں بیگم زبیدہ احمد صاحبہ نے دُعا کی اور یوں ہم ممبران ایک کامیاب اور مفید رابطہ دورہ کے بعد اہلِ خانہ سے اجازت لے کر لاہور واپسی کے لئے روانہ ہو گئے۔

محمد صالح نور مرحوم ومغفور

خوئے وَفا

تیری مخلوق میں خوفِ خدا باقی نہیں ہے
کسی کے دل میں بھی خوئے وفا باقی نہیں ہے
کُھلی ہیں سب وہ راہیں جو تیری سرکار میں جائیں
مگر انسان میں شوقِ لقا باقی نہیں ہے
یہاں پر کس لئے نفرت نے الفت کی جگہ لے لی
چمن میں کیوں وہ پہلی سی فضا باقی نہیں ہے
جہاں والوں نے طوفاں کے حوالے کر دیا ہم کو
ہمارا کوئی بھی تیرے سوا باقی نہیں ہے
خدا کے واسطے ہم کو ہمارے حال پر چھوڑ دو
کوئی بھی تو سلوکِ ناروا باقی نہیں ہے
ہلا دو عرشِ اعظم کو دعاؤں سے مِرے پیارو
علاجِ غم کوئی اب دُوسرا باقی نہیں ہے
مجھے کہتے ہوئے لاج آرہی ہے رُوحِ شاعر سے
خودی زندہ تو ہے دل میں خدا باقی نہیں ہے

☆☆☆☆